تذکرہ
۳۳

مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۷۶

تذکرۂ ریختہ گویاں

مولفہ

سید فتح علی حسینی گردیزی

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ)
معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو

---)o(---

مطبوعہ مطبع انجمن ترقی اردو
اورنگ آباد (دکن)

سنہ ۱۹۴۳ عیسوی

طبع اول ـ ایک هزار

قیمت فی جلد : ـ

مجلد ایک روپیہ چار آنے سکۂ انگریزی

غیر مجلد بارہ آنے سکۂ انگریزی

فہرست

7274

مقدمہ

یہ تذکرہ سید فتح علی حسینی الرضوی الگردیزی کی تالیف ہے۔ سید فتح علی سادات گردیز میں سے تھے۔ ان کے والد سید عوض خاں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لشکر بادشاہی کے بخشی تھے اور امیرانہ بسر کرتے تھے۔ محمد شاہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند اور جانشین احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں کچھ عرصے کے لیے نیابت صوبہ دار لاہور کی خدمت پر سر افراز ہو گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب دلی پر حملہ کیا تو سید صاحب مردانہ وار لڑتے لڑتے شہید ہو گئے —

ان کے بڑے فرزند سید فتح علی حسینی اپنے وقت کے مشائخ اور صوفیا میں شمار کیے جاتے تھے اور جو شجرہ ان کا تحریر کیا ہوا مجھے ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے وہ مخدوم میر جہاں (خلیفہ مخدوم شاہ عالم محمدی خلیفہ میر سید محمد کبیر خلیفہ شیخ محب اللہ الہ آبادی) سے بیعت تھے اور ان کے خلفا میں سے تھے —

اس امر کا ثبوت کہ ان کا شمار اپنے وقت کے بزرگان دین اور شیوخ میں تھا ' میر قدرت اللہ قاسم (صاحب تذکرہ و دیوان) کے کلام سے بھی ملتا ہے - وہ انھیں اپنا پیر و مرشد کہتا ہے اور اپنے کلام میں جگہ جگہ ان کی مدح و ثنا کرتا ہے - چنانچہ اپنی مثنوی کرامات پیران پیر * میں یہ اشعار ان کی نسبت لکھے ہیں —

گیا جب جہاں سے وہ ناصح کریم † ہوا اور برس آٹھویں یہ یتیم
پس از رحلت والد خوش یقین بہ سہ سال اے مرد نیک دین (؟)
ہدایت سے ایک سید پاک کی گزیں نخلۂ باغ لولاک کی
کہ ہے میر فتح علی خاں لقب حسینی تخلص حسینی نسب
حسب اور نسب اس کی ہے آفتاب ہے مستغنی الذکر درج کتاب
نہایت ہی عالی نسب وہ بزرگ بغایت ہے والا حسب وہ بزرگ
وہ ہے آج شیخ الشیوخ زماں طریق شریعت کراں تا کراں
وہ توحید کا بحر اخضر ہے آج وہ اس علم میں شیخ اکبر ہے آج
وہ ہے ہادیٔ رہروان خدا دلیل بزرگان صاحب صفا
وہ ہے آج میاں شیخ مردم تراش فقیر اس سے لازم ہے سیکھیں معاش
کہ ہے آج وہ پیر روشن ضمیر امیر و فقیر و فقیر و امیر

---

* کتاب خانۂ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (حبیب گنج)

† اپنے والد سے مراد ہے

توکلی ہے اس کا وہ چست و درست   کہ ابو سوہ دل جو ہو مہر سست

نہ یک سال بل سالہائے دراز   تلے اپنی جا سے نہ وہ سرفراز

غرض اس طرح وہ ان کی مدح میں برابر لکھتا چلا گیا ہے - علاوہ اس کے قاسم نے اولیا اور صوفیا کے کئی سلسلوں کے بزرگوں کے نام نظم کیے ہیں جو اس کے کلیات میں پائے جاتے ہیں - ان سلسلوں میں کئی جگہ فتح علی کا نام آیا ہے - مثلاً سلسلۂ علیہ حضرات قادریہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں —

حالیا یعنی دعا سر می کنم   شعلہ از داغ دلے بر می کنم

یا الٰہی تو بآں عالی نسب   آنکہ شد فتح علی خانش لقب

انہیں حضرات کے سلسلے میں ایک دوسری جگہ یوں ذکر کیا ہے —

منا جاتے از سینہ سر می کنم   ز سوز دروں شعلہ بر می کنم

الٰہی بہ شیخے حسینی لقب   دل آگاہ و فتح علی خاں لقب

شجرۂ طیبۂ حضرات چشتیہ نظامیہ صابریہ کے ذیل میں اس طرح بیان کیا ہے —

بہ دست آویز ایں رنگیں فسانہ   منا جاتے کنم سر عاشقانہ

خداوندا بآں فتح علی خاں   حسینی انتساب و قبلۂ جاں

حضرات صابریہ و نظامیہ کے سلسلے پھر ایک جگہ لکھتے ہیں —

بہر النجاح عمدۂ حاجات شوریدہ کنم سر مناجات
یارب تو بہ شیخ پاک مذہب آں فتح علی حسینی المذہب
یارب تو بہ شیخ دینداراں آں مہر جہاں و پیر دوراں

قاسم نے اپنے تذکرہ مجموعہ نغز میں بھی ضمناً تین چار جگہ ان کا ذکر ایک مرشد و ہادی کی حیثیت سے کیا ہے ' سید غالب علی خاں برادر فتح علی حسینی کے ذکر میں لکھا ہے :—

" سید فتح علی حسینی سلمہ الرحمن علایق دنیا را خیر باد گفتہ بمسند ارشاد پائے تمکین استوار کردہ زہد و توکل را کار بستہ "

مرزا مسیح اللہ بیگ مسیح کے متعلق لکھا ہے :—

" تصحیح نسخۂ آدمیت از جناب فیض ماب ہادیٔ سالکان میر فتح علی حسینی مدظلہ نمودہ "

میر یوسف علی یوسف کے متعلق لکھا ہے :—

" دست بیعت بدست حق پرست آگاہ رموزات صفتی و عینی سید فتح علی خاں حسینی دام مدظلہ و سامہ ربہ و از خدمت سراپا برکت جناب ہدایت انتساب حضرات ایشاں فیوضات دنیوی و اخروی می رباید و کسب سعادات

کونیلی می نماید "

سید صاحب کے ایک مرید شاہ محمد اسحق حسینی نے سنہ ۱۲۰۴ ھ میں اپنے مرشد کے بعض مکتوبات و کلمات جو انھوں نے بعض درویشوں اور طالبوں کے نام تحریر فرمائے تھے اور انھیں صاحب کے قلم سے لکھے گئے تھے' نیز بعض نکات و مقالات جو مختلف اوقات میں اپنے احباب اور عزیزوں سے بیان فرمائے' ایک جگہ جمع کردئے اور اس مجموعہ کا نام " ارشادات " رکھا —

ان مکتوبات اور رسائل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب ایک با خبر صوفی اور صاحب علم و فضل تھے - اس مجموعے میں علاوہ دیگر مکتوبات کے خاص خاص رسائل یہ ہیں —

۱ - کشف الاستار فی معرفۃ الاسرار

یہ رسالہ وحدۃ الوجود کی تحقیق میں ہے —

۲ - مرآۃ العرفان

یہ رسالہ حصول معرفت و عرفاں میں ہے اور بعض صوفی شعرا اور عرفا کے اقوال سے رسالے کو زینت دی ہے —

اس رسالے کے خاتمے پر جو عبارت انھوں نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ایک امیر منعم الدولہ محمد یار خاں سے تھا ' وہ ان کے ساتھ جو آپ کے سفر میں تھے اس وقت باوجود ناسازیٔ طبع کے یہ رسالہ تحریر فرمایا - اور وعدہ کیا ہے کہ بشرط حیات وجمعیت خاطر جو خیالات اس بارے میں میرے دل میں ہیں انھیں پھر لکھوں گا ۔

۳ - ابطال الباطل

اس زمانے میں بعض صاحبوں نے شیخ محمد علی حزیں کے کلام پر اعتراضات کیے تھے - ان سب کے مقدم اور پیشوا خان آرزو تھے ۔ سید صاحب نے اس رسالے میں بعض اعتراضات کی تردید کی ہے اور تائید میں اساتذہ کا کلام پیش کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر اور ذوق سخن کا اندازہ ہوتا ہے ۔

۴ - نور ہدایت

باقر خاں مرحوم کی طرف سے یہ سوال پیش ہوا تھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جو لڑائیاں ہوئی تھیں اور جانبین سے جو لوگ قتل

ہوئے تھے تو کیا دونوں طرف کے مقتولین " شہید " ہوئے
یا صرف ایک طرف کے - اس کا جواب قاضی محمد مبارک
گوپاموی نے دیا تھا ' اس پر مولوی محمداللہ راج گیری
نے شبہ وارد کیا ' اس شبہے کے جواب میں یہ رسالہ
تحریر ہوا —

٥ - معرفتہ الفقر

یہ رسالہ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں ان
کی زندگی کے آخری زمانے کی تالیف ہے اور نام بھی
تاریخی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں —

" ایں ذخیرۂ قصیرہ کہ از تالیفات اواخر
عمر بے حاصل عاطل ایں تہی کیسہ بے سرمایہ
با متاع کاسد گرا نمایہ است .... بہ
معرفتہ الفقر کہ سال اِتمام و اختتام ایں
اوراق است ؛ مخاطب و موسوم گردد ' انسب
می نماید

ایں نسخۂ معرفاں کہ پذیرفت انجام تاریخ شدہ ثبت بہ سال اتمام
درگوش خرد دوش حسینی گفتہ کامد بدلم معرفتہ الفقر الہام

اس سے سنہ ۱۲۰۱ھ نکلتا ہے - اس رسالے میں
بھی وحدۃ الوجود کا بیان ہے —

اس رسالے کے خاتمے پر جو عبارت انھوں نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ایک امیر معتمد الدولہ محمد بلند خاں سے تھا ، وہ ان کے ساتھ ھو آبہ کے سفر میں تھے اس وقت با وجود نا سازیٔ طبع کے یہ رسالہ تحریر فرمایا ۔ اور وعدہ کیا ہے کہ بشرط حیات وجمعیت خاطر جو خیالات اس بارے میں میرے دل میں ہیں انہیں پھر لکھوں گا ۔

۳ - ابطال الباطل

اس زمانے میں بعض صاحبوں نے شیخ محمد علی حزیں کے کلام پر اعتراضات کیے تھے ۔ ان سب کے مقدمہ اور پیشوا خان آرزو تھے ۔ سید صاحب نے اس رسالے میں بعض اعتراضات کی تردید کی ہے اور تائید میں اساتذہ کا کلام پیش کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر اور ذوق سخن کا اندازہ ہوتا ہے ۔

۴ - نور ہدایت

باقر خاں مرحوم کی طرف سے یہ سوال پیش ہوا تھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جو لڑائیاں ہوئی تھیں اور جانبین سے جو لوگ قتل

ہوے تھے تو کیا دونوں طرف کے مقتولین "شہید" ہوے یا صرف ایک طرف کے - اس کا جواب قاضی محمد مبارک گوپاموی نے دیا تھا ' اس پر مولوی محمداللہ راج گیری نے شبہ وارد کیا ' اس شبہے کے جواب میں یہ رسالہ تحریر ہوا —

۵ - معرفۃ الفقر

یہ رسالہ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں ان کی زندگی کے آخری زمانے کی تالیف ہے اور نام بھی تاریخی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں —

" ایں ذخیرۂ قصیرہ کہ از تالیفات اواخر عمر بے حاصل عاطل ایں تہی کیسہ بے سرمایہ با متاع کاسد گرا نمایہ است .... بہ معرفۃ الفقر کہ سال اِتمام و اختتام ایں اوراق است ؛ مخاطب و موسوم گردد ' انسب می نماید

ایں نسخۂ عرفاں کہ پذیرفت انجام تاریخ شدہ ثبت بہ سال اتمام
درگوش خرد درش حسینی گفتہ کامد بدلم معرفۃ الفقر الہام

اس سے سنہ ۱۲۰۱ ھ نکلتا ہے - اس رسالے میں بھی وحدۃ الوجود کا بیان ہے —

ان رسالوں سے نیز قاسم کے کلام سے جو شروع میں لکھا گیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب شاعر بھی تھے اور حسینی تخلص کرتے تھے - اپنے ذوق شعر کا ذکر اس تذکرے کے دیباچے میں بھی بڑی حسرت سے کیا ہے - افسوس کہ ان کا کلام دستیاب نہیں ہوا - ان رسالوں میں جو ایک دو جگہ ان کے اشعار ضمناً آگئے ہیں وہ یہاں لکھے جاتے ہیں —

رسالۂ مرآۃالعرفان میں انھوں نے اپنے دو شعر لکھے ہیں جو یہ ہیں —

قائم وجہ را خواندیم در کلامش
درشش جہت حسینی حیران آں لقائیم
چشم وحدت یکشا مسجد و میخانہ یکیست
کفر و اسلام یکے کعبہ و بتخانہ یکیست

اپنے ایک مکتوب میں جس میں مشاہدہ و مراقبہ پر بحث کی ہے اپنی ایک غزل بھی لکھی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے —

حسن او را در لباس زشت و زیبا بنگرم
یک حقیقت درمیاں لعل و خارا بنگرم
کثرت موہوم کے گردد حجاب وحدتم
منکہ در ہر ذرہ آں خورشید سیما بنگرم

صورت و معنی بہم ہر دو کہے بینم عیاں
گاہ در صورت بہ بینم گاہ معنی بنگرم

عاشق بیباکم و بے پردہ می گویم سخن
بے جہت راشش جہت من آشکارا بنگرم

حسن او بے پردہ امروز است در چشم عیاں
من نہ آں باشم کہ روئے یار فردا بنگرم

وحدۃ صرفت در مذہب و شہود اہل دیدہ
من نہ لا چوں شیخ می دانم نہ الا بنگرم

چشم وحدت بیں حسینی ننگرد جز آب صاف
گر حباب و قطرہ و گر موج و دریا بنگرم

معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں شعر کہنے کا شوق نہ تھا ' ان رسالوں میں تو اردو شعر لکھنے کا کوئی موقع نہ تھا کیونکہ یہ سب کے سب فارسی میں ہیں لیکن تذکرے میں بھی کہیں اس کا پتا نہیں لگتا۔ اگر ریختے سے شوق ہوتا تو وہ ضرور تذکرہ نویسوں کے دستور کے مطابق اپنا نام بھی درج کرتے۔ قاسم کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض شاعروں کو شعر و سخن میں اصلاح دیتے تھے۔ مسیح کے ذکر میں ہے —

" شعر خود ہم با صلاح حضرت ایشاں (فتح علی حسینی) درست می فرمود "

ثناءاللہ خاں فراق نے سید صاحب کے انتقال

کی تاریخ اس مصرعہ سے نکالی ہے —

کہا ہاتف نے انتخاب صاف *

اس سے سنہ ۱۲۲۴ نکلتا ہے —

گردیزی نے اپنا تذکرہ ایسے زمانے میں لکھا جب کہ ریختہ گو شعرا کے صرف چند ہی تذکرے لکھے گئے تھے - ان تذکروں سے وہ اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور تذکرہ نویسوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ ان عزیزوں نے اپنی تالیف کی علت فای معاصرین سے ستم ظریفی اور اپنے ہمسروں کی خردہ گیری قرار دی ہے ' اصل حقیقت کے اظہار میں اختصار سے کام لیا ہے اور بے اعتنائی کی وجہ سے اکثر " نازک خیال ' رنگین نگار " شعرا کے حالات قلم انداز کردیے ہیں - اور حالات و اخبار کے بیان میں صریح غلطیاں کی ہیں - یہ رنگ دیکھ کر خود ایک تذکرہ لکھنے کا ارادہ کیا جس میں نامور شعرا کے حالات بے رو و رعایت اور ازروے انصاف درج کیے ہیں اور ترتیب حروف تہجی کے حساب سے رکھی ہے —

گردیزی نے ان تذکروں کے نام نہیں لکھے ' لیکن جہاں تک تحقیق سے ہمیں معلوم ہوا ہے گردیزی کی تالیف کے زمانے میں یا اس سے کچھ قبل '

* دیباچۂ ارشادات (قلمی)

یہ چند تذکرے لکھے گئے تھے —

(۱) تذکرہ سید امام الدین خان بعہد محمد شاہ (۲) تذکرۂ خان آرزو (۳) تذکرۂ میر نکات الشعرا سنہ ۱۱۵۶ھ (۴) تذکرۂ سودا (۵) معشوق چہل سالۂ خود نوشتۂ خاکسار ۱۱۶۵ھ (۶) تحفتہ الشعرا مولفہ افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی ۱۱۶۵ھ (۷) گلشن گفتار مولفہ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی ۱۱۶۵ھ —

ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی تذکرے ہوں جن کا پتہ اب تک نہیں لگا - سید امام الدین خان، خان آرزو، سودا اور خاکسار کے تذکرے اب تک دستیاب نہیں ہے، البتہ بعض کتابوں اور تذکروں میں ان کا حوالہ ملتا ہے - باقی شاید ہی گردیزی کی نظر سے گزرے ہوں کیونکہ یہ ایسے مقامات میں لکھے گئے تھے جہاں سے ان کا گردیزی تک پہنچنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا - اس نے اپنے سارے تذکرے میں کہیں کسی تذکرے کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا - یہاں تک کہ خان آرزو، میر، خاکسار اور سودا کے حالات میں ان کے تذکروں کا مطلق ذکر نہیں کیا - البتہ قرائن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ میر کا تذکرہ اس کی نظر سے ضرور گزرا ہے - اور دیباچے میں جو اس نے تذکرہ نویسوں کے خلاف

زہر اگلا ہے اس کا ہدف نکات الشعرا ہی ہے - میر صاحب پہلے تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے صحیح تنقید سے کام لیا ہے اور جہاں کوئی سقم نظر آیا ہے بے رو و رعایت اس کا اظہار کردیا ہے اور ہر شاعر کے متعلق جو ان کی رائے ہے اس کے ظاہر کرنے میں انہوں نے مطلق تامل نہیں کیا - یہ بات ہمارے تذکرہ نویسوں میں عام طور سے مفقود ہے - وہ اپنے گروہ کے شاعروں کی جا و بیجا تعریف کرتے ہیں اور حریف گروہ والوں کی تعریف اول تو کرتے نہیں اور جو کرتے بھی ہیں تو دبی زبان سے اور اس میں بھی کوئی چوٹ ضرور کر جاتے ہیں - میر صاحب کی شان اس سے بہت ارفع تھی وہ کسی جتھے سے تعلق نہیں رکھتے - علاوہ اس کے میر صاحب نے حالات بیان کرنے میں بھی تا مقدور صحت سے کام لیا ہے اور بعض غلط فہمیوں کو سب سے اول انہوں نے رفع کیا ہے —

بعض اور اصحاب کی طرح گردیزی کو بھی یہ بات ناگوار گزری کہ اس کے بعض دوستوں پر میر صاحب نے بیباکی سے نکتہ چینی کی یا ان کی طرف سے بے التفاتی کی - لہذا حق دوستی ادا کرنے کے لیے اس نے خود ایک تذکرہ لکھا جسے افسوس ہے کہ

فروغ نہ ہوا —

دوسرا ثبوت اس بات کا کہ میر صاحب کا تذکرہ گردیزی کی نظر سے گذر چکا تھا ' یہ ہے کہ میر صاحب نے ریختے کی فصاحت وغیرہ کے متعلق جو خیالات اپنے تذکرے کے آخر میں ظاہر فرمائے ہیں ' ہو بہو وہی گردیزی نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں نقل کردیے ہیں ' البتہ کہیں کہیں الفاظ کا تغیر ضرور پایا جاتا ہے —

ہمارے اس قیاس کی تائید میں ایک پر لطف بات یہ ہے کہ میر صاحب کے حالات میں صرف دو تین ہی سطریں لکھی ہیں جس سے صاف بے اعتنائی ٹپکتی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ ان کے کلام کی تعریف میں وہی چند لفظ لکھے ہیں جو اس سے قبل حشمت کے کلام کی توصیف میں لکھہ آیا ہے —

حشمت کی نسبت لکھا ہے

" دیوانش فقیر سیر کردہ و چشمے آب دادہ ' حقا کہ دراں تلاش معنئی تازہ کردہ و الفاظ رنگیں بروے کار آوردہ " —

میر صاحب کی نسبت فرماتے ہیں

" فقیر سیر اشعارش نمودہ و چشمے آب دادہ ' حقا کہ دراں تلاش معنئی بیگانہ

کردہ است و حرف آشنا را بروے کار
آوردہ " —

کہاں حشمت اور کہاں میر صاحب! اور یہ روکھی پھیکی تعریف بھی جس بے دلی سے کی ہے وہ ظاہر ہے خصوصاً جب ہم اس کا مقابلہ دوسرے معمولی شاعروں کے ذکر سے کرتے ہیں جو گردیزی نے اپنی کتاب میں کیے ہیں تو اور بھی حیرت ہوتی ہے ۔ لیکن سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کی ہے کہ حالات کے بعد میر صاحب کے کلام میں سے صرف ایک شعر نقل کیا ہے اور وہ بھی بہت ہی معمولی ۔ حالانکہ معمولی سے معمولی اور گمنام شاعروں کا کلام سے بھی (جب مل گیا ہے تو) صفحے دو صفحے ضرور نقل کردیے ہیں —

یہ گویا اس نے انتقام لیا ہے ' لیکن انتقام لینے والا اکثر گھاٹے میں رہتا ہے ۔ وہ سمجھا ہوگا کہ اس کے بعد میر صاحب کا کلام نظروں سے گر جاے گا اور کوئی اس کا پوچھنے والا نہ ملے گا ۔ معاملہ اس کے بر عکس ہے ۔ میر صاحب کی قدر اب بھی ویسی ہی ہے جیسی ان کے زمانے میں تھی اور گردیزی کے تذکرے کو کوئی جانتا بھی نہیں —

گردیزی نے جس دعوے کے ساتھ اس تذکرے

کے لکھنے کا قصد کیا ہے اس کا کتاب میں کہیں نشان نہیں ملتا - اس میں کہیں غلط حالت کی تصحیح کی گئی ہے نہ مظلوم ہمسروں اور ہم عصروں کی بیجا خردہ گیری کا جواب دیا گیا ہے نہ اُن نازک خیال رنگین نگار شعرا کے حالات کا اضافہ کیا گیا ہے جو دوسروں کی بے اعتنائی کے شکار ہوئے تھے اور نہ ان حقائق کو آشکارا کیا جو دوسرے تذکرہ نویسوں کے ایجاز کی وجہ سے نظروں سے پوشیدہ تھے - ایسی صورت میں اس کا دعویٰ بے دلیل اور اس کا الزام بے بنیاد ہے —

گردیزی نے کل اٹھانوے شعرا کا تذکرہ لکھا ہے جس میں تقریباً اڑسٹھ ایسے ہیں جن کے حالات ایک ایک دو دو سطروں سے زیادہ نہیں - باقی کو تین تین چار چار سطروں میں بھگتا دیا ہے البتہ مظہر جان جاناں اور خان آرزو پر آدہ آدہ صفحہ لکھا ہے اور یقین کے لئے صرف آٹھ نو سطریں ، اگرچہ وہ اس کے بہت مداح ہیں ۔ اس اس پر بھی حالات کچھہ نہیں - مجموعی طور سے دیکھا جاے تو طویل انتخابات وغیرہ ملا کر فی شاعر ایک صفحے سے کچھہ ہی زیادہ کا اوسط پڑتا ہے - ایسی حالت میں دوسروں کو ایجاز و اختصار کا الزام کس منہ سے دے سکتے ہیں —

مولف نے انہیں شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے جو اس کے ہم عصر تھے اور ان میں اکثر سے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی ملاقات تھی، جس کا اظہار اس نے موقع موقع سے کردیا ہے - کلام پر رائے معمولی اور شاعرانہ انداز میں ہے، کہیں ان کے طبع نقاد کی جودت یا ذوق سخن کی کیفیت کا اظہار نہیں ہوتا - البتہ دو مقام ایسے آئے ہیں جہاں انہوں نے اپنی معمولی چال چھوڑ کر سخن گسترانہ قدم اٹھایا ہے - پہلا مقام وہ ہے جہاں حزیں کے شعر پر اعتراض کیا ہے (ملاحظہ صفحہ ۳۷ - ۳۸) اور وہ اعتراض بھی بے جوڑ سا ہے - دوسرا مقام خاکسار کے حالات میں آتا ہے - اگرچہ وہ اس شخص کے قائل نہیں لیکن اس بات پر بہت خفا ہیں کہ بعض صاحبوں نے اس کے اشعار کو نا موزوں کہا ہے اور زمرۂ شعرا سے خارج کردیا ہے - یہ بھی میر صاحب پر چوٹ ہے * —

گردیزی نے کل اٹھانوے شعرا کا تذکرہ لکھا ہے - میر صاحب کے ہاں ایک سو دو شعرا کا ذکر ہے - میر صاحب کے تذکرے میں ایسے انتیس شاعروں کا ذکر ہے جو گردیزی کے تذکرے میں نہیں اور گردیزی کے ہاں

---

* نکات الشعرا ص ۱۲۲ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

پچیس ایسے شاعر ھیں جو میر صاحب کے تذکرے
میں نہیں پاے جاتے —

یہ تذکرہ سنہ ۱۱۶۶ ھ میں تصنیف ہوا جیسا
کہ خاتمہ پر خود مولف نے تحریر کیا ھے - یعنے
اس کی وفات سے اٹھاون سال پہلے کی تالیف ھے -
اس سے ظاہر ھے کہ یہ مولف کے ابتدائی زمانہ کی
مشق ھے —

ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق
نہ لکھے گئے ہوں تا ہم ضمنی طور پر ان میں
بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ھیں جو ایک
ادیب اور محقق کی نظروں میں جواہر ریزوں سے
کم نہیں ہوتیں - اسی لیے انجمن ترقی اردو نے قدیم
تذکروں کے شایع کرنے کا خاص اہتمام کیا ھے اور یہ بھی
اسی سلسلے کی ایک کڑی ھے —

یہ تذکرہ ہم نے تین مختلف قلمی نسخوں سے
مرتب کیا ھے - ان میں سے ایک خاص طور پر قابل
ذکر ھے جیسا کہ کاتب تذکرہ کی عبارت سے معلوم
ہوگا کہ وہ حیدرآباد میں سید عبدالولی عزلت کے لیے
سنہ ۱۱۷۲ ھ میں (یعنے تصنیف سے چھے سال بعد) لکھا گیا تھا —

عبدالحق

بسم الله الرحمن الرحیم

ابتداے سخن بحمد سخن آفرینے سزا است که سر لوح نسخۂ کائنات را بنور محمدی مذهب نمود و افتتاح کلام بثناے متکلمے روا است که سجل رسالت را بمهر نبوتش مزین فرمود۔ ثم اتم الصلاة بر آن دیباچۂ دیوان ایجاد و فطرت که دفتر منشیان بلاغت نشاں تا بمدحش معنون نه گردد و شیرازۂ جمعیت نه پزیرد۔ و اکمل تحیات بآں خاتمۂ مصحف بعثت و رسالت که تا صدر دیوان شعراے فصاحت بیان به نعتش مزین نشود حسن قبول بخود نگیرد۔ و چمن چمن گلهاے منقبت نثار اولاد نامدار و اصحاب اخیارش باد که یگانۂ درگاه صمدیت وخاصۂ بارگاه احدیت اند رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین –

اما بعد آبیار گلستان لفظ و بوستان معنی قتیل المدعو به علی الحسینی الگردیزی مکشوف مشفقان * راست آئین و

---

*[ن] منصفان –

دیده‌وران حق بیں می گرداند که دریں دے ماه فضل و کمال و برگ ریز گلشن فکر و خیال که از هجوم برودت طبائع، واحوق افسردگی بنا بر عروض وقائع سرد مهری یاران گرم جوش و پژ مردگی دوستان انصاف نیوش، یخ در جگر بخار بسته است و هم گرم در گلو شکسته، دماغ گفتگو کجا است و سر تکلم کرا، نعم ماقیل ـ

کجا است محرم رازے که عقده بکشاید
که آه در جگر و ناله در گلو گره است

از بے مهری سپهر نا هنجار چه نالم که مصرع مسرت و دل خوشی را مانند نقش بهت باطل از صفحه روز گار حک ساخته و از نا رسائی* زمانۂ نا هنجار چه گریم که بیت بهجت و خورمی رابسان فرد باطل از دیوان لیل و نهار بر انداخته. اکنوں مضمونے غیر از خاموشی بکرد دل نمی گردد و معنی جز آب بستگی بخاطر نمی گزرد، مگر غزلے در مرثیۂ دلهاے مرده گفته شود ولے بنوحه و فریاد واگرآید† مع ذالک پیش هم پیشگان خسیس مداوا و خرده گیران بیمایۂ کافر ماجرا که قوالب خالي از جان وصور عاری از معنی اند سخن را که بهیں متاع و بهیں کالاے دکانچه صناعت است و بصرت

---

* [ن] ناسازی زمانۂ نابکار † [ن] کرده آید

نقد جان و خون دل دست می دهد درین کساد بازاری و ژولیده روز گاری عرض دادن آبرویش بر خاک ریختن و در عرض آن افتادن است - بنا برین از مدتے دکان سخن را تخته نموده مهر سکوت بر لب گویا زده دست از تسوید نظم و نثر کشیده زندگی دو روزه سپری می کرد لیکن از آنجا که عشق سخن به آب و گلم سرشته اند و تخم معنی بهشت خاکم کشته از ملاحظۂ تذکرهاے اخوان زمان که مشتمل بر اسامی ریخته گویان عهد معمور ساخته اند و علت غاے تالیف شان خرده گیری همسران و سخن ظریفی با معاصرانست در اظهار مافی نفس‌الامر * بایجاز پر داخته بلکه از جهت عدم اعتنا و قلت تتبع کرد اکثر نازک خیالان رنگین نگار را از قلم انداخته معهذا در تصحیح اخبار و تحقیق احوال اعزه غلط صریح بکار برده و خطا هاے نمایاں کرده اند، بخاطر فاتر ریخت که تذکرۂ مرقوم سازد بے رو دیده گی از روے انصاف خالیا عن‌الاعتساف و اسامی نامی شعرا را به ترتیب حروف تهجی بنویسد تا حاضران را تذکارے و غائبان را یادگارے بود الله در قابله —

فرض نقشے است کز ما یاد ماند — که هستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت — کند در حق این مسکین دعائے

---

* [ن] نفس الدهر

بعد هذا آشنایان این فن را مخفی* نماند که چون تذکرۂ ریختہ گویان است شمۂ از معنی ریختہ بتقریب سخن در مطاوی خطبہ مذکور می گردد والی اللہ نصیر الامور - و آن شعرے است بزبان اُردوے معلی مملکت هندوستان حرسہ اللہ تعالی بطرز شعر فارسی در موزونیت و انحاے آن بر چند قسم است - قسمے است کہ مصرع اول فارسی و ثانی هندی و دوم کہ نصف مصرع فارسی و نصف هندي باشد - نزدیک تازہ گویان مستهجن و مستقبح است اما ترکیبات فارسی کہ مناسب و مانوس بزبان ریختہ اُفتد جائز و ترکیب غیر مانوس الاستعمال جائز نے - و فارق و ممیز این امور جز صاحب سلیقہ زبان دان کہ با فصاحت و بلاغت آشنا باشد دیگرے نمی تواند شد - و ایهام کہ در زمان سلف ترویج یافتہ بود اکنون طبیعت ها مصروف باین صنعت کم اند مگر بسیار بشستگی و رفتگی بستہ شود - و ایهام در اصطلاح ارباب بدیع عبارت ازان حرف است کہ بناے بیت برو باشد و آن در معنی دو محل داشتہ باشد؛ یکے قریب و

---

* (ن) بیگانہ -

دیگرے بعید و در آں مقام معنی بعیدہ منظور شاعر باشد و قرینہ متروک آں - و انداز کہ مختار تازہ گویان زمان است محیط صنعتہاے فصاحت و بلاغت است - فصاحت کلام عبارت از خلوص آنست از ضعف تالیف عبارت از کلام غیر مطابق قواعد مشہورۂ نحویہ است و تنافر کلمات ثقیلہ آنست برزبان و بلاغت عبارت از مطابقت کلام است بمقتضاے مقام مع فصاحت کلام و "مقام" چیزے است کہ متکلم را باعث است بر تکلم علیٰ وجہ مخصوص از انجا کہ بیان معنی حوالہ بہ کتب مبسوطہ است و بدون مطالعہ آنہا بطریق اوفیٰ حاصل نمی گردد و دریںجا راہ ایجاز و اختصار می پیماید و در اطالت و اطناب نمی کشاید و چشم از مشفقان راست بیں کہ دیدہ را بکحل الجواہر انصاف نورانی ساختہ اند آں دارد کہ بحکم بشریت کہ خطا رسم آبائی است اگر تقدیم ماحقہ التاخیر و تاخیر ماحقہ التقدیم در الفاظ و معانی ایں عاصی کہ چند جزو کاغذ را مانند نامۂ اعمال خود سیاہ نمودہ است پابند کار بہ ستاری فرمودہ پردہ از روے معائب نہ کشاند و از نا پلنگی آہو نہ گیرند کہ ایں کار ننگ است بلکہ از راہ کرم بتصحیح اغلاط متواقعہ پردازند

که درین قول است مصرع :- « بزرگان را عیب پوشی به از خود پوشی - زیاده الله تعالی از آئینهٔ دلها کدورت اعتساف زداید و صیقل و صفاے انصاف کرامت فرماید که الانصاف خیر الاوصاف -

-‡*‡-

حرف الالف

آرزو

چراغ بزم گفتگو سراج الدین علي خان "آرزو" نخل هستیش از ریاض خاندان شیخ محمد غوث گوالیری قد کشیده و از ابتداے بهار جوانی جا به شاهجهانا باد چمن بنیاد گزیده قلمش در قلمرو سخن فرماں رواست و به بانگ بلند انا و لغیری سزا - دیوانے ضخیم با قصائد فرا جمع نموده تمام دیوان فغانی و سلیم را جواب گفته و در جواب محمود و ایاز زلالی مثنوی به شور عشق دارد و دراں تلاشهاے بسیار کرده ' داد معنی یابی داده و بر اکثر اشعار معاصرین مثل افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین از ستم ظریفی و غلبهٔ و گرفتهاے وارد و فهر وارد دارد - و تا الی یومنا هذا در

دهلی غیر از صرف اوقات در تحصیل و افادۂ طلبۂ علم نصب العین او نیست۔ گاہے بہ تفنن طبع ریختہ هم می گوید و میاں آبرو و میاں مضمون کہ بنائے ریختہ ایشاں ریختہ اند استنباط سخن باو دارند و زبان ریختہ از و گرفتہ اند —

پھر کر نظر نہ آیا هم کو سجن همارا
گویا کہ تھا چھلاوا وہ من هرن همارا

تیرے دهن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچے نے گانٹھ باندھا آخر سخن همارا

جان تجھ پر کچھ اعتبار نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ہے

رکھے سی پارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن کے بیچ گویا پھول هیں تیرے شہیدوں کے

هر صبح آوتا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے هیں دیکھو خورشید خاوری کو

مے خانے بیچ جاکر شیشے تمام توڑے
زاهد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے هم سنے
کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

تجھ زلف میں اٹک نہ رهے دل تو کیا کرے
بے کار ہے اٹک نہ رهے دل تو کیا کرے

———‡✻‡———

اشتیاق

بزهد و ورع مشہور آفاق شاہ ولی اللہ "اشتیاق"
از نبائر شیخ مجدد الف ثانی است و طبعش
موجد معانی باوصف شغل علوم دینی فکر شعر می
نمود سالے چند ازیں پیش راہ جادۂ مرگ پیمودہ
ازوست —

لڑکوں کے پتھروں کی لگے اُس کو کیونکہ چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

—§*§—

آبرو

شمع محفل گفتگو شیخ نجم الدین مبارک آبرو
گوالیر متوطن بزم آرائے معانی است و خاطرش
گنجینۂ گوہر سخندانی حقا کہ معنی تلاشی را بر طاق
بلند گزاشتہ و باستفتاح مملکت سخن رایت شاہی افراختہ
در نارنول مدتے برفاقت حضرت ابوی دام ظلہ بسر بردہ
و بجائزات نمایاں موصول گردیدہ ازوست —

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ رو ٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا

یہ سبزا اور یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا
دِوانا نہیں کہ میں گھر میں رہوں اب چھوڑ کر صحرا

سر سے لگا کے پانوں تلک دل ہوا ہوں میں
یاں تک تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خوں ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پن حال آبرو کا
دیکھو تو تم پیارے بے اختیار رو دو

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا کہے ہے اُڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا مکھی کبوتر

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گزریں مصور کھینچتا ہے انتظار

آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انسان ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں انا
آدم تو ہم سنا ہے کہ ہے خاک سے بنا

رھتی ھے دل میں مصرع دل چسپ کی طرح
گھر بار ھو ھے سرو قدوں کا برائے بیت

زلف کی شان مکھہ اُپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ھے

تمھاری لوگ کہتے ھیں کمر ھے
کہاں ھے کس طرح کی ھے کدھر ھے

یوں آبرو بناوے دل میں ھزار باتیں
جب رو برو ھو تیرے گفتار بھول جاوے

اُتھہ چیت کیوں چلوں سے خاطر نچنت کی
آئی بہار تجھہ کو خبر ھے بسنت کی

جہاں تجھہ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھہ آگ کو عزت
مقابل اُس کے جو ھوتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چالنا سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجھہ کو
طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ھے

حسن ھے پر خوب رویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ھیں یہ سب پر ان پھولوں میں ھرگز بو نہیں

زندگی ھے سراب کی سی طرح
با و بندی حباب کی سی طرح

تجھہ اُپر خون بے گناھوں کا
چڑھ رھا ھے شراب کی سی طرح

کون چاھے گا گھر بسے تجھہ کو
مجھہ سے خانہ خراب کی سی طرح

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس کر گیا

تھا قول آبرو کا نہ جاؤں کا اُس گلی
ہو کر کے بے قرار دکھو آج پھر گیا

کم مت گنو یہ بخت سیاہوں کا رنگ زرد
سونا وہی ہے جو ہو کسوٹی کسا ہوا

انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال حد سے زیادہ بڑھا سو مسا ہوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہیے
کہ اُس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گزری سو جگ بیتا

نہ چھوڑے کا پیارے جی کسی
تمہارا ھنس کے کہنا یہ اجی کا

کیا قہر ہے پیارے منہ کا ترے مٹکنا
پھر قہر پر قیامت یہ زلف کا لٹکنا

جس گال پر صفا پر نظریں نہیں ٹھیرتیں
اُس گال پر عجب ہے دل کا مرے اٹکنا

ابرو غلیل تس پر تل کا رکھا غلیلہ
ہر زاغ بوالہوس کو مشکل یہاں پھٹکنا

اسپند کر کے تجھ پر مُلا کے تئیں جلاؤں
کیوں مارتا ہے نازک رخسار پر چٹکنا

زاہد ہے آج مجلس رنداں میں نیم جاں
خرگوش جیوں بھیڑ میں آ ادہ سسا ہوا

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

جن نے آ ہاتھ سے امید کے دامن پکڑا
یہ نہیں شرط مروت جو اسے خوار کرو

پرکھتا ہے بو الہوس کا بھید پردے سے نکل
خط کے آنے میں حقیقت سب کی ظاہر ہو گئی

دیکھو تو جان تم کو ملاتا ہوں کب ستی
بولو خدا کے واسطے تک لال لب ستی

یہ جانیو ہر ایک سے لالچ نہیں ہے خوب
ہے بھیک مانگ کھانا بھلا اس کسب ستی

پانی میں ڈوب آگ میں جل کر مرو پن ایک
عاشق نہ ہو پکار کے کہتا ہوں سب ستی

باندھا ہے برگ تاک کا کیوں سر پہ سہرا
کیا آبرو کا بیاہ ہے بنت العنب ستی

اُس شوخ سرو قد کو ہم جانتے تھے بھولا
مل اوپری طرح سے کہا دے دیا ہے پالا

اے سرد مہر تجھ سے خوباں جہاں کے کانپے
خورشید تھر تھرایا اور ماہ دیکھ ہالا

فوجوں سے بڑھ چلے ہے جیو کا کوئی سپاہی
یوں خال چھوٹ جس کا مکھ پر رہے نرالا

چھکی دکھا نین کی دل چھین لے چلے ہوں
تیرے نین کو کن نے سکھلا دیا چھنالا

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا دشمن ہوا ہے جاں کا

ہر اک نگھہ میں ہم سے کر نے لگی ہیں نوکیں
کچھہ تو تری نین نے پکڑا ہے طور بانکا

خندوں کے طور گویا دیوار قہقہہ ہے
پھر کر پھرا نہ لڑکا جو اس طرف کو جھانکا

پریشاں تر ہے تیری زلف سے احوال عاشق کا
سیہ دونا ہے آنکھوں سے یہ ماہ و سال عاشق کا

ترے رخسار سیمیں پر جو مارا زلف نے کنڈل
لیا ہے چھین یارو اژدھا نے مال عاشق کا

نزاکت سے نکل سکتی نہیں تصویر تجھہ تن کی
مصور نے سجن ہر چاند مر مر اپنا جی کاڑھا

چھوڑ زر گئے خاک میں حاصل کیا تو کیا ہوا
ساتھہ کچھہ جانے کا نیں سب کچھہ لیا تو کیا ہوا

غیروں کے ساتھہ شب کو چلتے ہو چال اور ہی
دیکھی روش تمھاری جا ؤ تمھیں پچھانا

حکمت کی تیغ سیتی کاٹو رقیب کا سر
اُٹھہ آو آبرو کے کر قتل کا بہانا

مفلس تو شید بازی کر کر نہ ہو دوانا
سودا بنے کا اس کا جس نے کہ نقد خرچا

تو کب بھلا تھا پیارے ہم سے کہ آج روٹھا
دیکھا یہ ان ملے کا ہم روٹھنا انوٹھا

بوسے کا وعدہ کر کر مصری چبا کے بخشی
کھنے کو ان لبوں سے میٹھا دیا سو جھوٹا

نالاں ہوا ہے جل کر سینے میں من ہمارا
پنجرے میں بولتا ہے گرم آج اگن ہمارا

پھری کماں کے مانند مانع نہیں اکڑ کو
ہے ضعف بیچ دونا یہ بانکپن ہمارا

خورشید کس طرح سے ہوا طالع آبرو
کیا دن پھرے کہ یار کا ایدھر کرم ہوا

کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا سجن
عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا

تو گلے کس کے لگا' لیکن کسی بے رحم نے
گرم دیکھا ہوے کا تیرے تئیں آنکھیں ملا

اشک گرم و آہ سرد عاشق کے سے پرھیز کر
خوب ہے پرھیز جب ہو مختلف آب و ہوا

ملنے کے شوق سے ہم گھر بار سب گنوایا
ملت میں میرے گھر یار آیا تو گھر نہ پایا

دل غم سے کر کے لوہو' لوہو کا کر کے پانی
آنکھوں ستی بہایا تب آبرو کہایا

سیج اوپر غیر کے رھتا ہے اب لوٹتا ہوا
زر کے لالچ اس قدر وہ سیم تن کھوٹا ہوا

ماھر و کن فہر نے جا کر چھچھوندر چھوڑ دی
گھر جلا عاشق کا ان لوگوں کا کیا ٹوٹا ہوا

مرے پیارے سے قاصد ! اتنی دل کی بات جا کہنا
کہ جانے سے تمھارے جان کا مشکل ہے اب رہنا

ہم سے وعدہ یوں تھا تو جب جی دیوے ہنس دوں تبھی
جی دیا ہم نقد تم کو قرض اب ہسنا کیا

جو لونڈا پاک ہے سو خوار ہے ٹکڑے کے تئیں عاجز
وہی راجا ہے دلی میں جو عاشق کے تلے پر جا

چوپڑ کے کھیلنے کا سارا یہ ہے خلاصا
شاید کبھی وہ لڑکا بیٹھے ہمارے پاس آ

پی کر شراب ہم کو جو تم دراڑتے ہو
کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا

رکھے کُٹنی (*ن) اس طرح کے لالچی کو کس طرح بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھو وہ لا کبھو یہ لا

نونہالوں کا یہ زنخ میوا چاہتا ہے یہ پھل تو کر سیوا

عاشقوں میں جس کسی سے یار راضی ہو مرا
وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہے جی مرا

صبر کب دیدار کا ہے اس کے تئیں فردا تلک
سو قیامت جان پر کرتا ہے دل آج ہی مرا

ہر گھڑی چھپ چھپ کے ستاتا اس کو اے دل مان جا
شوخ ہے ہندوستان ذرا دیکھ لے تو جان جا

(*ن) کوئی ۔

کھیلے تھے رات چوپڑ گوئیاں (ن *) ہوا تھا پیارا
ہارے رقیب سارے اور ہم نے رنگ مارا

گراں ہے شرم کے آدم کو رکھنا مکر کی تسدی
ہر اک دانہ ہوا ہے آبرو کے دل کو سو من کا

میٹھا لگا ہے مجکو تیرے لباں سے کیا خوب
یکبار پھر کے کہہ لے اپنی زباں سے کیا خوب

آنکھوں کی سبھ ہوئی ہے مژگاں بھواں سے دونی
لگتے ہیں جیوں سپاہی ترکش کماں سے کیا خوب

تڑپتا رہتا ہے تب لگ جب تلک مرتا نہیں
دل کو جیوں سیماب اپنی بے قراری ہے حیات

——‡ * ‡——

آگاہ

محمد صلاح آگاہ شعرش دل پذیر است و فکرش بدل جاگیر :—

پھری میں کرو سیر جہاں کی تو مزا ہے
دن تھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

(* ن) گنیاں -

انسان

عمدۂ اُمرائے ذی شان اسدالدولہ انسان در عہد سعادت مہد حضرت فردوس آرام گاہ بمنصب هفت هزاری و جمیع سامان حشمت و مکنت کہ منتہائے متمنائے امارت است رسیدہ محسود اقران و امثال گردیدہ - با وصف کثرت مشاغل دنیوی با قتضائے موزونی طبیعت شعر بزبان ریختہ می گفت و در معنی در تصوف می سفت - سالے چند زین پیش رخت از سرائے حدوث کشیدہ بجہان قدیم مائل گردیدہ :-

زمین و آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکڑا ہے

آزاد

خوش ذهن بلند استعداد محمد فاضل آزاد زاد گاهش دکن و طبعش موجد سخن با ولی هم طرح بود و عمر را به آزادگی بسر برد :-

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتوں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا هنر نہ آیا

——— * ———

احسن

احسن الله احسن به آبرو هم طرح بود و در سخن تلاش معنی تازہ نمود، شعر را بطرز ایہام می گفت و در معنی برشتۂ فکرت فی سفت - سالے چند زیں پیش چشم از نظارۂ دنیا پوشیدہ و سر در نقاب خاک کشیدہ :-

یہی مضموں خط ہے احسن اللہ　　کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

صبا کبھو اگر جاوے ہے تو اس یار دلبر سوں
کہ کر کر قول پرسوں کا گئے برسوں ہوئے برسوں

مگر الحان داودی ہے نعمت خاں کی تانوں میں
کہ آہن سے دلوں کو بین لے کر موم کرتا ہے

بری باتوں کی خو ہرگز نہیں اس کو جو انساں ہے
جو گالی سے زباں کو کام فرماوے سو حیواں ہے

*

آشنا

بیگانہ از ریو و ریا میر زین العابدین آشنا، بحسن سیرت و سلاست طبع معلی (ن*) طبع سلیم

(*ن) در راستی گفتار و درستی افکار مجلے ـــ

و ذهن مستقیم دارد و بحکم من المهد الی اللحد گاہ

گاہ بملاقات می پردازد —

کہیو صبا تو اتنا مرے تند خو کے تئیں
آخر کسی بھی وجہ دکھاوے گا رو کے تئیں

گر ہم سے دوانوں کو تم آزاد کروگے
ویرانے جہاں کے سبھی آباد کروگے

—— * ——

آوارہ

' میر محمد کاظم ' آوارہ برادر حقیقی میر زین العابدین آشنا است و خسر پورهٔ برادر کوچک فقیر - بنا بر جودت طبع شعر بزبان ریختہ می گوید —

اے عندلیب جاکے چمن میں کرے گی کیا
باد خزاں سے سب گل گلزار جھڑ گئے

—— * ——

الہام

' فضائل بیگ ' الہام تخلص از تربیت کردہ ہاے سید عبدالولی عزلت است جز این دو بیت کہ در ہجو کلاونت بچی گفتہ است بگوش نہ رسیدہ :—

کلاونتی ترے گانے سے دق ھوں   بہت نیچے سروں میں بولتی ھے
دیکھہ تھاری بچے کو ناکارہ   چڑھکے گانے لگی کلاونتی

--- * ---

انجام *

نواب امیر خاں عمدۃ الملک انجام غفرۃ الملک العلام، شاگرد میرزا بیدل مرحوم در فارسی، و در ریختہ گوئی و ھندی و علم موسیقی و لطیفہ و بدیہہ سرائی و حاضر جوابی و ھمہ کلمات بے بدل بودہ - شش سال پیش ازیں برحمت حق رسید، بالفعل ایں دو بیت از و بخاطر بود کہ قلمی شد:—

اب یہی احساں ھے جو ھرگز نہ ھوں آزاد ھم
پھر چمن میں جائیں کیا منھہ لے کے اے صیاد ھم

نہ سن تو پند واعظ کا جو اپنے دھن میں پکا ھے
خدا حافظ مرا دوزخ بھی اک شرعی دھڑکا ھے

--- * ---

* دوسرے نسخے میں انجام کا ذکر حرف الفا کے تحت غلطی سے اس طرح مکرر کیا ھے -

امیر خاں کابلی - ایں شعر از امیر خاں کابلی است کہ در وقت خلد مکان بہ سہ ھزاری سر افراز بود :—

کیوں بلائی بزم میں کیا ھم سے نادانی ھوئی
دختر رز شرم سوں مجلس میں آ پانی ھوئی

حرف البا

بہار

ٹیک چند بہار، بفقیر اخلاص دارد و اکثر ها بملاقات می پردازد - هندوئے بایں کمالات کم بنظر در آمدہ ' در تحقیق لغت هائے فارسی و مواقع استعمال آں کتابے ضخیم مسمیٰ بہ بہار عجم تالیف نمود در بعض مواقع دخلها بر سراج اللغت خان آرزو و دیگر کتب لغت فرمود و رسالۂ ابطال ضرورت وغیرہ از مولفات اوست - گاهے بہ تفنن طبع ریختہ هم می گوید و از آنجملہ است :—

وهی اک ریسماں ہے جس کو هم تم تار کہتے هیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے هیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاهر
سلیمانی کے خط کو دیکھہ کیوں زنار کہتے هیں

اِتنا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے هیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے هیں

کیا ہے عشق کی رہ بیچ پا برهنہ بہار
تمام دشت ہے پر خار دیکھئے کیا هو

جب سے اُس سرو رعنا کا هوا ہے جلوہ گاہ
سبز جیوں شمشاد اُٹھتی ہے مرے سینے سے آہ

کیسے ھیں یہ ستمگر قاتل پہ تقصیر کیا کیجے
جو ان کے ھاتھہ یوں مرنا ھوا تقدیر کیا کیجے

سانورے سب ایک سے ھیں ظلم کرنے میں بہار
کم نہیں کچھہ دل کے لے جانے میں کاکل چشم سے

بہار اُس گل بدن کا جو دوانا ھو تو کیا اچرج
فرشتے کا بھی من ایسے پری اوپر لبھاتا ھے

دیکھہ کر کیوں کر نہ ھووے دل رقیبوں کا کباب
کس ادا سےتی صنم دیتا ھے ساغر وا چھڑے

کوئی کس ساتھہ ایسی فصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ھے نہ ساغر ھے نہ مطرب ھے نہ ھمدم ھے

ھمیں واعظ ڈراتا کیوں ھے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ھمارے بیش ھوں کچھہ مغفرت کم ھے

اُسی درگاہ سے حاجت روا ھوتی ھے عالم کی
جہاں دیتے ھیں بن مانگے فضولی ھے طلب لالا

جو کچھہ جا کر گلستاں میں کیا ھے کیوں چھپاتے ھو
عیاں ھے آستیں کی چیں سے موج خون گل لالا

سبھی کرتے ھیں دعویٰ عشق کا قسمت ھے تو دیکھیں
صف محشر میں جس کے ھاتھہ دامن ھوگا قاتل کا

کرے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سر دیوے
تکلف بر طرف خسرو کو کیا فرھاد سے نسبت

خوش سخن کا حرف دل کو لوٹتا ھے حال بیچ
یہ غلط کہتے ھیں کچھہ لذت نہیں ھے قال بیچ

کنعاں میں ماہ مصر نے کب سلطنت کری
کم ہے کوی عزیز ہوا ' ہو وطن کے بیچ

منظور سیر لالہ جو ہو اس بہار بیچ
پھولا خوب ہے دیکھہ دل داغدار بیچ

کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھہ کو دیکھہ
امید جیونے کی نہیں اس بہار بیچ

دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
کس سے یہ سیکھے ہو تم لے کر مکر جانے کی طرح

توڑتا زنجیر جا نہاں تھا پڑا بکتا بہار
لے گیا ہے شوخ میرے ہاتھہ سے دل بے طرح

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل

عبث تشویش کیوں دیتی ہے گل کی طبع نازک ہے
یہ گستاخی نہیں ہے خوب ' مت کر شور اے بلبل

ناز و استغنا ' عتاب اعراض سب جاں کاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دل کا نشاط

نتیجہ جس سے خدمت کا اگر یہ بے دماغی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ پھل پاوے ہے جو سیوے

اگر مارا پڑا دل ہات سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

تڑپتا ہے پڑا جیوں نیم بسمل خاک وخوں میں دل
عقوبت ہے جو کچھہ اس صید پر صیاد کیا جانے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خدا پا تی کہا تم کو منا جاتی

فا ز بے جا و لطف بے موقع   دلبراں کی ادا ہے کیا کیا کچھہ

محبت کی قلمرو میں اگر جاوے تو سن لے کا
کو ئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

-:*:-

بیرنگ

مستفید بزم افادۂ یکرنگ دلاور خاں بیرنگ طبع سلیم
و ذہن مستقیم داشت و بعنوان سپہگری علم می افراشت
سالے چند ازیں پیش راہ مراحل مرگ پیمود و رخت بسراے
خاموشاں کشود' از وست :—

یا ر کا جب خیا ل آ تا ہے   دل میرا تمام جا تا ہے

دل کو تجھہ عشق سے قرار نہیں   اب تلک تجکو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھہ باغباں اور   دوانا ہوں میں گل کے رنگ وبو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترھ   مثل مشہور ہے سو یا سو چوکا

ہے ہات ترا خوں سے عاشق کے گر آ لودہ
مہندی سے سجن مت کر با ر دگر آ لودہ

مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو
افشا ں سے ترا ماتھا رھتا ہے ز ر آ لودہ

فرہاد کو مصیبت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو یک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا   کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اُس کے تئیں بیرنگ
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

—‡✻‡—

بیدار

بیدار، بر حالش آگہی دست ندارد :—

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

بیتاب

نکتہ سنج معنی یاب محمد اسمعیل بیتاب پایۂ

سخنش بلند است و حرفش دل پسند است :—

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

—✻—

پیام

سامعہ افروز روشن کلام شرف الدین علی خان پیام
زاد گاهش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد :—

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق گواہ سولی ہے

—*—

بسمل

بسمل، نمی دانم کہ بسمل کیست :—

ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا
آپ تو بدنام ہی تھا مجھ کو بھی رسوا کیا

——*——

پاکباز

میر صلاح الدین پاکباز پسر سید کمال نبیرۂ سید جلال
از نظر یافتگان تربیت یکرنگ است :—

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم کہاں

——*——

قزل باش خان

این شعر خوش گاہ قزل باش خان مرحوم است :—

قفس کے در کو باز اے بلبل اب صیاد کرتا ہے
خدا جانے کرے گا ذبح یا آزاد کرتا ہے

این بیت بنام دیگرے هم مسموع شده

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

جو اب نہ مرئیے تو پھر انتظار میں مرئیے
خدا خزاں نہ دکھائے بہار میں مرئیے

تمام عمر شرابیں پیا کیے ساقی
ہزار حیف کہ آخر خمار میں مرئیے

—*—

بیان

خواجه احسن الله بیان بحسن صورت و سیرت محلی است و بفهم و فراست مجلی - زاد گاهش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد - مشق سخن از میرزا مظهر می کند چنانچه گوید :—

بندے سے ثنا حضرت اُستاد کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کہ وہ شان اتم کا

کیا کیجے بیاں اُس کے وجود اور عدم کا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ
رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

صاف منھہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اس کے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہے میرا جس کے پاس

کہنا تو صاف منھہ پہ مروت سے دور ہے
آوے گا ایک روز مرا جان کام خط

جیوں پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع
تو انہوں کے غم میں اپنا جان بھی کھوتی ہے شمع

مشہد پروانہ روشن کیوں نہ ہووے دہر میں
جس کے بالیں پر تمام شب کھڑی روتی ہے شمع

جو نہ ہو اُس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
کون مجھہ بے کس کی تربت پر کرے روشن چراغ

جان کر معنی کسی کے گر تمہیں باندھے کہیں
صاحب خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ

عرض لیتا ہم زبانوں کے سلیقے کا بیاں
اس دل ناداں کے شیون سے اگر پاتا فراغ

آتا ہے جی کو دیکھہ کے جوش بہار حیف
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف

یہاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اُس کے منھہ ستی بے اختیار حیف

میں بسکہ خاک سا ترے کوچے میں مل گیا
تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھہ سے غبار حیف

هوئی آہ اب اس قدر نا رسا
کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک

نپٹ ہی بیان کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

یہی دن ہے، ملنا ہے اس سے توسل
کہ جیتا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دل میں نفس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس میں بھی ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
موا جاتا ہے کیوں اتنا تک اک بھی پڑ ہلا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیان کس منہ سے مانگے اس سے اپنا خوں بہا بسمل

بیکل

سید عبدالوہاب بیکل زادہ کاهش دولت آباد است
و در سخن میر عبدالولی عزلت استاد اوشان اند :—

مرا دل گلرخاں نے، سات لے گئے
حنا کا رنگ ہاتوں ہات لے گئے

تری زلفوں نے کئی کئی پیچ سکھلا
دل بیکل کو راتوں رات لے گئے

عشق میں کیا ثابتی ہے مجھ دل بے تاب کو
برقرار آتش اُپر دیکھا اسی سیماب کو

سرو کو رتبہ ترے آگے نہیں اے سبز پوش
ایک تجھ بازار خوبی کا ہے وہ سبزی فروش

نہیں ہے دل کا رتبہ ہے بڑا تجھ رو پرستی میں
کہ دل حافظ ہے اس مصحف کا آنکھیں ناظرہ خواں ہیں

تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا
دوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں مت والے

دیرے ابرو کی تیغ ہے بار ہیل
جس کو لگتی ہے خوب لگتی ہے

حرف التا

تجرد

'میر عبداللہ' تجرد شاگرد عزلت' زاد گاہش دکن

است و طبعش موجد سخن:—

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خرشید کہا ہے اُس کی فلک کو خبر نہیں

——*——

تاباں

'نخل بند گلشن بیان میر عبدالحی' تاباں جوانے بود خوب صورت و خوش سیرت' شمع محفل جانہا و چراغ بزم دلہا' در خاک پاک ہندوستاں گل حیاتش برو مند شدہ و در ہمیں گل زمیں بہ نشو و نما رسیدہ در عین عنفوان جوانی خاک مال فلک خورد و بساط حیات مستعار بر چیدہ داعی اجل را اجابت کرد:—

تیرے ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز
گوشت ناخن سے کبھو کوئی جدا ہوتا ہے

ہے سوز عشق مجھ میں یہاں تئیں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت سے ہو گیا
تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہے صبح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں تیرے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

آشنا بھی مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور ہم ہوں

ایمان و دین سے تاباں کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

جفا تو چاہئے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ساحریوں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

جیوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جیوں شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

شیخ جو حج کو چلا چڑھکے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جی سو تیرے غم میں جا چکا
آخر تو مجھکو خاک میں ظالم ملا چکا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھکو وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

خوان فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہے مہر و ماہ کے دونو رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے اے ظالم
وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے
تجھے بے مروت مودت کہاں ہے

مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو
تری دلربائی کی غیرت کہاں ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک
قاصد پھرا نہ لے کر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

بتوں کے شہر نا پرساں میں کئی کب داد کو پہنچے
مگر وہاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

تمکین

صلاح الدین تمکینؔ بمعمورۂ شاہ جہان آباد بسر می برد و ریختۂ را ہموار می گوید :—

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجکو دیوانہ کیا تجکو پری زاد کیا

حرف الثا

ثاقب

شہاب الدین ثاقب طبع صائب و ذھن ثاقب دارد :—

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا
یہ کون مرگیا ہے کس کا ھے یہ جنازہ

قتل کا کس کے ھے اب قصد تمہارے من میں
کیوں رکھاتے ھو میاں سان پہ تلوار کے تئیں

چھوڑ کر دل کے تئیں درپے ایذا ھوے
یار کیجئے کسی ایسے ھی دل آزار کے تئیں

—*—

حرف الجیم

میاں جگن

میاں جگن خالہ زادۂ شیر افگن خان است و زاد و
بومش ھندوستان، از وست :—

اس دل مریض عشق کو آزار ہے بھلا
چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

جرأت

میر شیر علی جرأت دل بستہ سہی قداں و زندانی حسن نیکو طلعتاں بود و تحصیل کتب متداولہ نمود شعر را کم می گفت و اکثر می گفت کہتر می خواند چہ مطمح نظرش اکثر ایں بود کہ شعر می باید آمدنی باشد نہ آوردنی - بفقیر اکثر ہا ملاقات می کرد، سالے چند زیں پیش از دار الخلافت رخت اقامت بدکن کشید و باز برحالش اطلاع نہ گردید :—

بے خود جو ہوا اتنا تو دیکھ کے مے خانہ
حیران میں ہوں کیوں کر پیوے گا تو پیمانہ

زنجیر کے کرنے سے کرتا ہے جنوں دونا
دیکھا نہیں اے جرأت تجھ سا کوئی دیوانا

دماغ گل پریشاں ان ترے نالوں سے ہوتا ہے
نہ کر اتنا بھی اے بلبل تو فریاد و فغاں چپ رہ

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیے
بہار آئی ہے کیوں کر خانۂ زنجیر میں رہیے

کیا اُس کے بیاباں کو اس ابر کی پروا ہے
گریے ستی مجنوں کے تر دامن صحرا ہے

سنگ طفلاں دیکھ کر کھاتے ہمیں بولا یہ قیس
یہ دوانا کس طرح کھاتا ہے پتھر وا چھڑے

حرف الحا

حزیں

صاحب تلاش معنی رنگین میر محمد باقر حزیں طبع رسا و فکر والا داشت و در ملک سخنوری علم شاہی می افراشت - غنچۂ استعدادش از نسیم انفاس میرزا مظہر شگفتہ - چنانچہ گوید :—

اے حزیں شکر کہ ہے مصحف ارباب جنوں
فیض سے حضرت مظہر کے یہ دیوان میرا

سالے چند زیں پیش شاہ جہاں آباد خلد بنیاد را وداع گفتہ در گلشن بنگالہ بسان بلبل ہزار داستان نغمہ سرائی می کرد ' دریں ولا از میرزا مظہر مسموع شد کہ لشکر عشق رعنا جوانے بر شہر ستان دلش تاراج آوردہ متاع صبر و شکیب را بتالان بردہ در ہمیں

ستمبز و آویز ودیعت حیات را بمقتضائے اجل سپرد :-

غم نے آباد کیا خانۂ ویراں میرا ابرمژگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

خوب بوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد جی سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا

دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھ سے کو
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا

کیوں نہ ہووے دل ہمارا ہائے خوں اس رشک سے
اُن لبوں سے برگ پاں یوں ہمزباں اب ہوگیا

یہاں تلک آنکھیں مری روئیں کہ ایک آنسو نہیں
بے طرح تاراج ان کا خانماں اب ہوگیا

بہار آئی ہے جب سے یاد کرکر گلستاں اپنا
قفس میں ہائے بلبل کس طرح دیتی ہے جاں اپنا

یہ کہہ کر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ فصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

کبھو کوئی جو بلبل دیکھ گل کو جی سنا پاتے ہیں
مجھے بے اختیار اُس وقت یاد آتا ہے جاں اپنا

خفا ہوتا ہوں میں از بس نہیں تعبیر کو سکتا
مجھے لگتا ہے جس جس طرح سے پیارا سجن میرا

غش ہوجاتا ہوں سنگ آستاں تیرے کو دیکھ
طور کا کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ ادب

بے ہوشیٔ حضرت موسیٰ از ظہور تجلی بود نہ از

مشاهدۂ طور (ن *) بسط این قصہ از فرط شیوع دریں
نسخہ کہ خیلے بایجاز و اختصارش کوشیدہ شدہ مناسب
نہ افتاد و من ادعی فعلیہ السند

سر نوادیں گر تواضع سے بتاں کچھہ عیب نہیں
شاخ گل ہے اس نزاکت ساتھہ سرتاپا ادب

برق سے جیوں آنکھہ مند جاوے کریں ہیں اس طرح
دیکھکر حق کی تجلی مردم بینا ادب

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سب لیلی کی خاطر سے
وگر نہ ان پری زادوں کو دیوانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہوتا نہیں ہم پر اثبات

مری رنگیں کلامی کا ہے وہ گل پیرہن باعث
کہ ہووے بلبلوں کی خوش صفیری کا چمن باعث

کوئی ہوتا ہے سنگ سینہ خسرو سے رقیبوں کا
ہوا ناحق ہلاک اپنے کا آپی کوہکن باعث

جو ہوتا ہے کسو سے انس سب سے وحشت آتی ہے
مری صحرا نشینی کا ہے میرا من ہرن باعث

حزیں ان شعلہ رخساروں سے جی کو مت لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

(ن *) کما قال اللہ تعالی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسی صعقا —

اس پر نہیں ہوا ہے یہ دل مبتلا عبث
ناصح تک اُس کو دیکھ مجھے مت ستا عبث

وہ نگاہ مست ہے اس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں کا علاج

سج بنا کر پھرتے ہیں یہ جامہ زیباں کس طرح
ان ستی لپٹے نہ میرا رشتۂ جاں کس طرح

دیکھنے میں اس کے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھکر تجکو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

کیا قیامت ہے جو لے اپنے کو بیگانہ چھٹا
صبر کر بیٹھے حزیں وہ ماہ کنعاں کس طرح

زخم پر دل کے مرے ناصح نہ تو مرہم لگا
خوش نہیں آتا ہے مجکو درد خوباں کا علاج

گئیں یوں محنتیں سب اس کی برباد
موا کس بیکسی سے ہائے فرہاد

کریں کیونکر نہ ہم مجنوں کا ماتم
کہاں ملتے ہیں اپنے فن کے استاد

عشق کے فن میں تجھے ناقص کہیں گے اہل درد
کوئی ہوتا ہے حزیں غم سے ہراساں العیاذ

کوہکن کی محنتیں آخر ٹھکانے لگ گئیں
دل میں کی شیریں نے جا آخر کے تئیں سر پھوڑ کر

نہیں رہنے کے آخر تجھ سے خوباں آشنا ہرگز
انھوں پر بھول کراے دل نہ ہو مجھ سے جدا ہرگز

نہ ہوائے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

سزا پائی نہ آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی تو اپنا مت لگا ہرگز

ہمارے واسطے کس کس طرح کے رنج کھینچے ہیں
حقوق اس دل کے مجھ سے ہو نہیں سکتے ادا ہرگز

دل کو کئی فصلوں سےتھی باغوں میں جانے کی ہوس
حیف اب کے بھی نہ نکلی اس دوانے کی ہوس

خوب رو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اس قدر جو ان کو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

جس قدر چاہے سجن اپنی جفا میں کر عروج
مجھ ستی ہرگز نہ ہوے گا وفا میں انحطاط

گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جور یار آخر
ہمیں درد و الم سے آ گئی صحبت بر آر آخر

اپنی جدا خبر لے اس کی جدا خبر لے
یہ ایک دل دوانا کس کس کی جا خبر لے

بے خبر رہتے ہیں جو کوئی عشق کی لذت ستی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اطلاع

کیوں کہ ہو مجھکو تسلی جان وعدوں سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل، دل سے تیرے اطلاع

عشق کی گرمی سے ضعف آتا ہے مجھکو ان دنوں
ہو گیا یہ درد دل آخر مرا دود دماغ

ایک هم سے بات نہیں سکتی نکل آفسو بغیر
دل همارا ہو گیا هے غم سے اب یہاں تک رقیق

نه جانے کس طرف جاتا رها خوباں سےتی مل کر
نہیں ملتا هے مجکو مدتوں سیتی سراغ دل

دل دے کے اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا هے دل
جاتا رها جب هاتهه سے پھر هاتهه کب آتا هے دل

آتا هے نو بہار دھڑکتا هے جی مرا
پھر شور و شر کرے گا یه خانه خراب دل

غم نے لیا هے گھیر مجھے یہاں تلک که اب
دیتا هے ساتهه دینے سے مجکو جواب دل

ملنے کے دن جو اشک نکلتے هیں کچهه نه پوچهه
نکلے هے دیکھنے کو ترے هو کے آب دل

آثار دیکھکر کے چمن کے خزاں کے بیچ
کیوں کر کرے نه هاے حزیں اضطراب دل

رحم آتا هے همیں اس مشت خاک اپنی په هاے
خوب رویوں کی هوا میں یوں هوے برباد هم

کچهه نه آخر چل سکا هاے ان زبردستوں سےتی
لے گئے یه دل کے تئیں کرتے رهے فریاد هم

گیا سن هوش مجنوں کا مرے دوانه پن کے تئیں
بجز سر پھوڑنا اور کچهه نه سوجها کوهکن کے تئیں

میں دیکھوں کیوں کر اس دریاے خوبی کے دهن کے تئیں
گیا جی توب میرا دیکھه اُس چاه ذقن کے تئیں

حزیں سب دکھہ مرے جی پر گوارا ہو گئے لیکن
نہیں جاتا ہے دیکھا پاس غیروں کے سجن کے تئیں

کس کس طرح کی ایذا پہنچی ہے مجکو تم سے
میں مر گیا ہوں اے دل تیرے دوانہ پن میں

ناصح نہ اس طرح کی باتیں مجھے سناوے
دیکھے اگر سجن کو آکر مرے نین میں

اس بے وفا کے عشق سے کچھہ مجکو جس نہیں
پانوں تلک بھی ہاے مجھے دسترس نہیں

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

کچھہ کہا شاید ان نے قاصد سے
دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں

یہ لوگ بے سمجھہ تجھے کیا کیا کہیں گے جان
اتنی بھی میرے جور پہ بانہہ اب کہر نہیں

ان بتاں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
زندگانی کا اُسے واللہ کچھہ حاصل نہیں

شوق میں شیریں کے آخر جی کو اپنے دے چکا
عشق کے فن میں کوئی فرہاد سا کامل نہیں

بے وفائی دیکھکر ان خوش نگاہوں کی حزیں
اب کسو سے اس طرح ملنے کا میرا دل نہیں

یاد اب کہوں کر نہ آوے مجکو میرا گلستاں
ایک دن سکھہ سے نہ گزرا جب سے چھوڑا آشیاں

تدبیر شور عشق میں جاتی نہیں ہے پیش
مرنے بغیر کچھ نہ بنا کو ھکن ستی

آتے ہی نو بہار نہ جانے کرے گا کیا
ڈرتا ہوں اپنے دل کے میں دیوانہ پن ستی

آرزوئیں عشق کی ہوتے نہ دیکھیں سر براہ
کوھکن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہیں

لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے کے تئیں
کیوں کہ سمجھاویں کہو ایسے دوانے کے تئیں

ہو رہا ہے درد و غم سے عشق کے از بس خفا
مستعد بیٹھا ہے ہو کے جی نکل جانے کے تئیں

آوے نہ کیوں کہ رشک مجھے برگ پاں ستی
لیتا ہے کیا مزا وہ سجن کے لباں ستی

دیا تلخی سے جی فرہاد نے یوں کہکے یا قسمت
لکھا تھا یہ کہ شیریں سے ملیں گے ہم قیامت کو

بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
دیکھئے اب زندگی میری کا کیا اسلوب ہو

حال اے قاصد مرا جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ
اس طرح سے اس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو

نام پر ان خوب رویوں کے فدا کرتا ہے جان
کیوں نہ ان طرحوں سے مجکو دل مرا محبوب ہو

کیوں کہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو
کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں کیا تحریر ہو

بے طرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اُسے
دیکھیے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو

زندگی اور موت لگ جاوے ٹھکانے سب حزیں
عشق میں رعنا جوانوں کے سروں گر پیر ہو

اس طرح سیتی جو کھلایا ہمیں روز سیاہ
کیا کیا تھا سانورے کا ہاے ہم ایسا گناہ

اشک رنگیں کیوں رواں ہوتے مری آنکھوں ستی
گر نہ پڑتی گل رخوں کی اے حزیں مجھ پر نگاہ

نہ آئی اس کے مرنے پر بھی شیریں جوے شیر اوپر
یہ حسرت جی میں اپنے اب تلک فرہاد رکھتا ہے

کچھ کٹتے ہجر میں کچھ وصل میں گریاں گزرے
کیا مری عمر کے اوقات پریشاں گزرے

شان مجنوں کی کسو کی نہ رہی نظروں میں
خیل آہو میں جو ہم چاک گریباں گزرے

خوباں کے ہرد و غم نے کیا ناتواں مجھے
یاں تک کہ مو بھی تن پہ ہوے ہیں گراں مجھے

ان دلبروں کو دیکھ دل ایسا گیا کہ ہاے
ملتا نہیں ہے اس کا کہیں اب نشاں مجھے

یوں تونے مجکو جان یکا یک بھلا دیا
تیری وفا پہ ہاے نہ تھا یہ گماں مجھے

کیوں کر کروں جفا کی شکایت میں اس ستی
کرتا ہے وہ وفا میں کبھو امتحاں مجھے

ہر نصیحت میں تری مانوں گا اے ناصح پر ایک
دلبروں کے دیکھنے میں جی مرا ناچار ہے

یاں تلک ان خوب رویوں نے ستایا ہے کہ اب
زندگانی سیتی اپنی جی مرا بیزار ہے

دیوانگی کو اپنی مرنے تلک نبھایا
ملتے کہاں ہیں کامل مجنوں سے فن کے اپنے

نہیں چھوڑتا ہے یہ دل خوبوں ستی مروڑیں
مارے ہوے ہیں ہم تو اس بانکپن کے اپنے

میں ان خوبوں کے ملنے بن جو اتنے رنج کھینچوں ہوں
نہیں تقصیر کچھ ان کی مجھے یہ دل ستاتا ہے

نہیں کچھ جانتے خرشید رو قدر اس دوانے کی
انہوں پر ہاے دل کس کس طرح سے جی جلاتا ہے

نہ کی کچھ فکر تم نے اپنے وعدوں کے وفاؤں کی
بھلی تم نے خبر لی جان اپنے آشناؤں کی

میں چاہتا ہوں عشق چھپاوں پہ کیا کروں
رسوا کریں ہیں خلق میں یہ چشم تر مجھے

سب آرزوئیں دل کی تھکانے لگیں حزیں
گر قتل کر چکے وہ سپاہی پسر مجھے

نہ پاے ہم نے خوباں دوست اپنے آشناؤں کے
عبث ہم عمر کھوئے عشق میں ان بے وفاؤں کے

یہ لڑکے نازنیں کیوں کر جلاویں جی ہر اک جی پر
کہ ہوتے ہیں نپٹ نازک مزاج ان میرزاؤں کے

نہیں کہتا کوئی سمجھا کے ہائے ان خوبرویوں سے
یہ کیوں کر ہوتے ہیں گے دشمن اپنے مبتلاؤں کے

دام الفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
ایک دم تجھہ سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے

روز باراں کیوں نہ اے زاہد کہوں مے کو حلال
اس قدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے

بجا ہے درمیاں ان کے تجھے دعویٰ خدائی کا
سجن واللہ بندے ہیں بتان خوش کہر تیرے

پسیجا بھی نہ گرمی سے تری پتھر سا دل اُس کا
نہ کر شور اس قدر اے آہ بس دیکھے اثر تیرے

وفا میرا اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتا
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

یہ خسرو کوہکن سے سر چڑے کو کیونکہ ترساتا
اگر شیریں تک اک بھی امتحاں کو کام فرماتی

حزیں میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں تجھہ سے
مجھے کہتا ہے تیری بات مجکو خوش نہیں آتی

راحت کو اپنے دل کی نہ پاؤں کا ایک دم
جب تک کہ میرے ساتھہ یہ خانہ خراب ہے

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے
قیامت شوخ میرا بد گماں ہے

خزاں آتے ہی اب دیکھے کا آخر
نہ بلبل ہے نہ گل نے آشیاں ہے

نوبت شورش سے آتی ہے بہار اب
خبر لے اپنی تو اے دل دوانے

جو کچھ سلوک کہ کرتا ہے اب گریباں سے
نہ تھا یہ ہاتھ مرا اس قدر کبھو گستاخ

نو بہار آئی حزیں کیا کیجئے اب دل کی فکر
بے طرح مجکو نظر آتی ہے دیوانے کی طرح

کون دے گا دیکھ اس منہ کو دل محزوں کی داد
لے نہیں جانے کے محشر میں بھی اس کے خوں کی داد

کوہ و صحرا میں پڑے فریاد کر کر مر گئے
کچھ نہ دی اس چرخ نے فرہاد اور مجنوں کی داد

مہر و بے مہری تمہاری ہم سمجھتے ہیں سجن
جی میں جنگ اور منہ پہ یہ صلح نمایاں العیاذ

ایک دن دریا نے دیکھا تھا مرے دریا کا جوش
روز و شب ہوتا ہے غیرت سے تہ و بالا ہنوز

گر پڑے نظروں سکی فرہاد اور مجنوں کی شان
دیں محبت میں اگر ہم اپنے غم کھانے کے عرض

جس طرح ہوتا ہے بے رونق چراغ ماہتاب
زرد رو مجلس میں خوباں کی نظر آتی ہے شمع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کی الفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

متصل فریاد کو کب کرسکے ہے سر براہ
کوہ ہو سکتا نہیں دلہاے نالاں کا حریف

خورد سالوں میں قیامت ھے لٹک جیوں شاخ گل
کیوں نہ جاوے جی کی آنکھوں میں کھٹک جیوں شاخ گل

ھات اس کا بسکہ نازک ھے نہیں لاتا ھے تاب
توڑنے میں گل کے جاتا ھے لچک جیوں شاخ گل

قرض لہوے گی قضا لو ھو شہیدوں سے ترے
تب کرے گی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن

دیکھکر گلشن میں تجکو جان گڑ جاتا ھے سرو
یہ لٹک قد کی ترے ساری کہاں پاتا ھے سرو

کچھہ نہیں اس کو رعایت شان معشوقی کی ھاے
اس قدر کیوں قمریوں کو سر پہ بٹھلاتا ھے سرو

کچھہ محبت میں نہیں عاشق بچاروں کا گناہ
دل کی گردن پر ھے سب ان دکھہ کے ماروں کا گناہ

حشمت

نکتہ سنج والا فطرت سید محتشم علی خاں 'حشمت' مرد سپاھی پیشہ درست اندیشہ بود - گوھر اصلش از بدخشان است و لعل رنگین خیالش نہایت (ن *) رخشاں' سخنش دل پسند است و فکرش بلند - بکمال

(* ن) بغایت -

خوش خلقی و فراخ حوصلگی زیست می کرد و بوسعت حال می گزرانید۔ دیوانش فقیر سیر کردہ و چشمے آب دادہ حتا کہ دراں تلاش معنی تازہ کردہ و الفاظ رنگیں بروے کار آوردہ - احیاناً ریختہ ہم می گفت ازاں جملہ است :-

بہار آئی دوانے کی خبر لو اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

——‡✻‡——

حاتم

اسرار معنی را ملہم محمد حاتم 'حاتم' پر بخود می جنبید و سوہ مستانہ راہ می رود۔ زاد بومش شاہ جہاں آباد است و طبع صیر فیش نقد و قلب سخن را نقاد :—

نظر آتا تھا بکری سا کہا پر ذبح شیروں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندہ کر دیواں کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

ایک دن ہاتھہ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

مثال بحر موجیں مارتا ہے لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا
آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہیکا لباسوں میں جن نے لباس رنگا

قال کیسی طرح چاہے تھا کہ پالا دے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپی گرا

آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
کہ کہیں سب جہاں وصال ہوا

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں
آگے آیا مرے کیا میرا

لیا اس گلبدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوما رقیبوں نے ہمارا

ان دنوں میں دیکھکر مجکو ابھرتے ہیں رقیب
پیٹ ہے ان کا بھرا کل پرسوں مرتے ہیں رقیب

خاصے سجن کا ملنا تن سکھ ہے عاشقوں کا
گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں ہاتھ ململ

مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجکو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

——‡∗‡——

حشمت

شہید معرکۂ جرأت محمد علی حشمت سلحشور میدان سخن بود و تسخیر قلمرو معنی بشمشیر زباں می نمود آخر در جدال و مناقشۂ قطب الدین خان فوج دار مراد آباد با پسران علی محمد خاں رهیله شربت شہادت چشید و جا در شہر خاموشاں گزید۔—

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنا ے گل
تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہا ے گل

خط نے ترا حسن سب اُڑایا یہ سبزہ قدم کہاں سے آیا

—— * ——

حسن

میر محمد حسن 'حسن' گلہاے معانی از فکرت مرزا رفیع سودا دستہ بستہ در شاہجہاں آباد چمن بنیاد سکونت دارد:—

لگتا ہے آج مجکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو
خنجر تو ایک دم کے لیے ملنہ نہ موڑیو

—— * ——

حسیب

'حسیب' مولد و منشاش حیدرآباد است و در سخن مہر عبدالولی عزلت اُستاد :—

قواعد کیا ہے کھیو راست جیوں تیر اے کماں ابرو
کشش کر زور سے دل کھینچ پھر کیوں چھوڑ دیتو ہو

گلبدن پھول کی مت توڑ کے ڈالی آرے
دیکھہ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرے

—— * ——

حرف الخا

خاکسار

محمد یار خاکسار از خدام درگاہ قدم شریف است' گویند بسیار ہرمی پیچد و خود را در ذی شعراے مسلم منسوب می کند - بہر حال شعرش از موزونیت خالی نیست و آں کہ بعض اعزہ سر بانکار موزونیت او بر آوردہ او را از زمرۂ شعرا خارج می‌کنند - ناشی از ستم ظریفی و بے انصافی است و شعرش نسبت شعراے مسلم بدرجۂ نازل البتہ است لیکن انکار موزونیت

بچه راه :—

تیری زلف سیه سے اے پیارے مجکو یک سر هزار سودا هے

خاکسار اس کی انکهیاں کے کہے مت لگیو تو
مجکو ان خانه خرابوں هی نے بیمار کیا

قیامت بهی هو گی تو میری بلا سے
مجهے داد خواهی کی طاقت کہاں هے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں هے کوئی
اس خانداں خراب کو چنگا خدا کرے

—*—

حرف الدال

درد

در معنی یابی فرد خواجه میر درد، از شعراے ممتاز زمانه است و در سخن گوئی یگانه - بے افراق طبع بلندش رسا است و فکر دل پسندش والا :—

اکسیر پر مهوس اتنا نه ناز کرنا
هے کیمیا سے بهتر دل کا گداز کرنا

ناله فریاد آه اور زاری آپ سے هوسکا سو کر دیکها

اُن لبوں نے نه کی مسیحائی هم نے سو سو طرح سے مر دیکها

کبھو خوش بھی کیا ہے جی کسی رند خرابی کا
بھڑا دے منھ سے ساقی ہمارا اور گلابی کا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
دیکھیے غم سے اب کے جی میرا — نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بدخو نے کیا کہا ہوگا
دل تو اے درد قطرۂ خوں تھا — آنسوؤں میں کبھی گرا ہوگا

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فلک پر کون کہتا ہے گزر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے وہاں جا پر کسو دل میں اثر کرنا

عاشق بے دل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
آپ اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبے ہوکے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھکو دلاتا رہے گا

خفا ہوکے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

انداز وہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

جیوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھو سکا

دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

مژگاں تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

یہ چاہتی ہے اب تپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات محفل میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منھ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

محتسب سنگ جفا سے ترے مے خانے میں
کون سا دل تھا کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

باوجودے کہ پرو بال نہیں آدم کے
وھاں تو پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

یار نے درد سے ملنے کا برا کیوں مانا
اُس کو کچھ اور بجز دید کے منظور نہ تھا

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ھی نہیں رھا ھے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینے کے سامنے ہم آکے ھو کریں

تر دامنی پہ شیخ ھماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ھے اپنی یہ صلاح کہ سب زاھدان شہر
اے درد آکے بیعت دست سبو کریں

اُن نے کیا جو یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ھوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رھے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہاں میں ھنستے پھرا کیے
جی میں ھے خوب روئیے اب بیٹھکر کہیں

پھرتے تو ھو بناے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ترا بھي ھے گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ھے کیا کہ ایک ھی جا ھوے ھر کہیں

درویش ھر کجا کہ شب آمد سراے اوست
تونے سنا نہیں ھے یہ مصرع مگر کہیں

مست ھوں پیر مغاں کیا مجکو فرماتے ھو تم
پاے بوس خُم کروں یا دست بوسیٔ سبو

تاں دینا اُس کو نت ھر طرح جیوں قبلہ نما
پھر مجھے ھر پھر کے آرھنا اُسی کے روبرو

ربط ھے ناز بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جي ھے وابستہ مرا اُن کی ھر اک آن کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ھے یہی مطرب تو خیر
جی ھی جاتے ھیں چلے تیری ھر اک تان کے ساتھ

جی کی جی میں رھی کچھہ بات نہ ھونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ھونے پائی

دید وا دید تو ھوی دور سے میری اُس کی
پن میں چاھا تھا جو وہ بات نہ ھونے پائی

اُٹھہ چلے شیخ جو تم مجلس رنداں سے شتاب
هم سے کچھہ خوب مدارات نہ ھونے پائی

جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمتگاری
سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

اے نور نظر ترا تصور تھا پیش قدم جدھر گئے ہم

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز
اُس کے تیشے کی یہاں زباں ہے تیز

ساقی اب سب پکارتے ہیں گے
تیرے ہاتوں سبّی پرہیز پرہیز

ہے غلط گر گماں میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہے

دل نے تیرے تو رنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

آنکھوں کی راہ میری اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر مرے عیاں ہے

آہوں کی کشمکش دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے گویا وابستہ میری جاں ہے

مت موت کی تمنا اے درد ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جھوں صدا نکلا ھی چاھے خانۂ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ھے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل دے چکا ھوں اس بت کافر کے ھاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

دل! ویسے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالے کے کرتے کرتے

درد جیوں نقش قدم تھا سر راہ پر اس کے
مت گیا اوروں کے پانوں تلے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاھو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

یا رب تھی کیا خرام وہ جن نے ایک، آن میں
کہتے ھی مردے حشر سے آگے چلا دیے

نزع میں ھوں پہ وھی نالے کیے جاتا ھوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ھوں

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

نے خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں

درد اس جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ
پھر دیکھنے کا نہیں تو اس عالم کو خواب میں

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

——§*§——

داؤد

مرزا داؤد از تربیت یافتگان عزلت است :—

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

——§*§——

درد

کرم اللہ خاں درد ہمشیرہ زادۂ امیر خاں انجام است '

سخنش خالی از چاشنیء درد نیست :—

عشق کی آگ لگی ہے مری اب جان کے بیچ
شمع سا جل کے بجھوں گا ابھی ایک آن کے بیچ

میں دوانا ہوں ترا مجکو نہ مار اے ظالم
قتل مجنوں کا پڑھا ہے کہوں قرآن کے بیچ

عقل اور ہوش گیا دیکھکے غمزے کی فوج
ایک دل اڑ کے رہا عشق کے میدان کے بیچ

یہ وہ آنکھیں تھیں جو دریا سئی لیتی تھیں خراج
اب تو نم بھی نہیں ان دیدۂ گریاں کے بیچ

سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ

زخم دل ہونے دے ناسور نہ کر اُس کا علاج
درد میں جو کہ مزا ہے نہیں درماں کے بیچ

——٭——
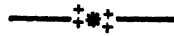
دردمند

گلشن معنی را نخلبند محمد فقیہ دردمند شمع ادراکش برکردۂ تجلی کدۂ میرزا مظہر است - دیوانے بزبان فارسی جمع کردہ دراں تلاش معنی رنگیں و الفاظ درد آگیں نمودہ داد سخن گستری دادہ از چندے رخت اقامت بہ بنگالہ کشیدہ صحبتش با ناظم انجا کوک گر دیدہ در انجا بتوسع حال بسر می برد :—

ہے غم سے رقیبوں کے مرا دل ناشاد
اُس کے دھڑکے سے جاتے ہیں عیش بباد

پرویز کے شیشہ خانۂ عشرت پر
سنگ آیا سخت و لیک آیا فرہاد

کہسار میں جا گرا ہے ناحق کے تئیں
پرویز سے جا بھڑا ہے ناحق کے تئیں

کوئی تکر پہاڑ سے لیتا ہے
فرہاد کا سر پھرا ہے ناحق کے تئیں

ایں چند بیت از ساقی نامۂ اوست :—

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم

ارے ساقی اے جان فصل بہار یہی تھا ہمارا و تیرا قرار

ہمارے بسر نے کی یہ فصل تھی فراموش کرنے کی یہ فصل تھی

تری جان کی سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں

مرا عقل میں کون انباز ہے ارسطو مرا اک دوا ساز ہے

فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار نہ لاوے گا مجھ سا کوئی روزگار

نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف شگوفے کو آیا ہے مستی سے کف

چمن میں بھرا ہے نشا یہاں تلک
کہ نرگس کی جاتی ہے گردن ڈھلک

دانا

فضل علی دانا شاگرد مضمون است گویند بہ آزادہ

وضعی و وارستہ مشغی بسر می برد و شعر را بطور خود درست می گوید :—

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اُس کو فاقہ ہے
رگ گردن سے میری اُس کے خنجر کو علاقہ ہے

—)*(—

حرف الذال

ذہین

میر محمدی مستعد ذہین از دوستان مولف بود ـ در عین شباب جوانی بستاط از عالم حادث چید و بجہان قدیم مائل گردید :ـ

ہمارے دل کو مت آزار دے اے باغباں نا حق
بلا مت آتش گل سے ہمارا آشیاں نا حق

ہائے کیا کیجئے جو پہنچی نہیں
کان تک اُس کے ہماری فریاد

ہو اگر کچھ یار کے تشریف فرمانے میں دیر
تو کریں گا ہے کو اس دنیا سے ہم جانے میں دیر

جنوں کی اُن کے ناصح کچھہ نہیں تدبیر کر سکتا
چھٹے پھرتے نہ دیوانے جو وہ زنجیر کر سکتا

کروں میں کیوں کہ اُس کے روبرو شکوہ جداؤں کا
حیا آتی ہے مجھکو میں نہیں تقریر کر سکتا

باتیں ہماری راست اُنھوں نے نہ جانیاں
کیا کیا بتوں کے جی میں بھی ہیں بدگمانیاں

تھے دل دغا کی راہ سے وہ لطف وہ کرم
کیدھر گئیں بتاں کی ویسی مہربانیاں

حرف الرا

رسوا

رسوا ہندو پسر جدید الایمان بود آخر از فرط جنون ورق عقل و خرد گردانند؛ و سواد سودا بہم رسانند چوں کارش برسوائی کشید بدر ترک ہستی زدہ در عین عنفوان جوانی بحلقۂ زنجیر مرگ گرفتار شد ازوست :—

قفس سے وں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تر پائے نہیں

وصل میں بے خود رہے اور هجر میں بیتاب هو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

هر گلی گر گر پڑے هیں مست هو دیوار و در
ابر رحمت هے برستا یا برستی هے شراب

آرام تو کہاں کہ تک اک سو کے چپ رهیں
آنسو بھی نہیں رهے کہ بھلا رو کے چپ رهیں

حرف الزا

زکی

جعفر علی خان زکی از عمدۂ منصب داران سرکار والا است و طبعش غایت ذکا بکمال رعنائی و میرزائی زیست می کرد حالیا از فرط پریشانی باشفتگی بسر می برد باقتضاے موزونی طبیعت شعر بزبان ریختہ هم می گوید :-

عشق میں صبر و قناعت گرچہ کچھہ مشکل نہیں
لیک اُن کو هے کہ جن کو دل هے میرے دل نہیں

اے گل و بلبل بہار آئی هے تک دل کھول لو
چار دن صحبت غنیمت جان کر هنس بول لو

مصر سے یوسف چلا بکنے کو اے کنعا نیو
تم سے کیا قدرت نہیں اتنی کہ اس کو مول لو

در مثنوی خود در منقبت حضرت شاہ ولایت گفتہ :–

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ   نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ
نبی کی آل اوپر وار جانا   اسی بارہ پلے سے پار جانا

نہ لے جانقد دل کو اے اناری عشق کی پھڑ میں
کبھی جیتے پھرے دیکھا ہے وہاں کے جان ہاروں کو

سجن کے دیس کیا پہنچی ہے بے ہوشی نہایت کو
دے آیا بھول کر قاصد کتابت جا نہایت کو

اے منکر حقیقت تک سہو کفر لازم
اس اوپری جگت میں کوئی تشنہ دسے ہے

سن کر احوال مرا ناصح مشفق نے زکی
ہات سے ہات ملا درد سے سینا کوٹا

بعضے گویند ایں شعر از ولی دکنی است :–

بعد مرگ کوہکن شیریں اگر جیتی رہی
دیکھ کر یہ جوے شیر اپنا لہو پیتی رہی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
تا قیامت سوزن تدبیر اگر سیتی رہی

خاکساری نہ کر موذی کے ہر گز اعتبار
جونکہ ماٹی میں ملی تو بھی لہو پیتی رہی

—*—

حرف السین

سودا

نکتہ داں بے همتا میرزا محمد رفیع سودا مردے
است سپاهی پیشه و درست اندیشه حقا که رتبۂ
شعرش عالی است و سخن درد مندانه اش حالی '
امروز در میدان گفتگو گوے سبقت از اقران و امثال
خود می رباید و داد معنی یابی و رنگیں خیالی
می دهد :—

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا
جیوں شمع سراپا هو اگر صرف زباں کا

پردے کو تعین کے در دل سے اُٹھادے
کھلتا هے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

' سودا ' جو کبھی گوش سے همت کے سنے تو
مضمون یہی هے جرس دل کی فغاں کا

هستی سے عدم تک نفس چند کی هے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا هے کہاں کا

بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا هے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

آہ کس طرح تری راہ میں گھیروں کہ کوئی
سد رہ هو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوهکن
بازی اگرچه پا نه سکا سر تو کهو سکا

کس منه سے پهر تو آپ کو کهتا هے عشق باز
اے روسیاه تجهه سے تو یه بهی نه هو سکا

پهرے هے شیخ یه کهتا که میں دنیا سے منه موڑا
الهی ان نے اب ڈاڑهی سوا کس چیز کو چهوڑا

جو گزری هم په مت اس سے کهو هوا سو هوا
بلا کشان محبت په جو هوا سو هوا

مباد هو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لهو کو تو دامن سے دهو هوا سو هوا

میں دشمن جاں ڈهونڈه کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمه الله تعالیٰ

تجهه تیغ تلے کهیو رستم سے که سر دهر دے
پیارے یه همیں سے هو هر کارے و هر مردے

جسے که زلف سیه نے تری ڈسا هوگا
غرض وه مر هی گیا هوگا کیا جیا هوگا

کسی دین دار و کافر کو خیال اتنا نهیں آتا
سحر کیا هو چکا سودا که جی پر شام کیا هوگا

سودا سے یه کها میں دل اس طرح سے کهونا
کهنے لگا که ناداں کیا پوچهتا هے هوتا

کهوں اسیری پر میری صیاد کو تها اضطراب
کیا قفس آباد هو گئے کون سے گلشن خراب

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا نکا ہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

عقل نے ایک دن آکر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کر یو پیارے
جس کا ثمرا رکھے تجکو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہوں زیر زمین دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہے پانی کی تہہ خاک ہنوز

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

اے لالہ گر فلک نے دیے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پاے کہ بس تمام

تسلی اس دوانے کی نہ ہو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بد شرابیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

بلبل خاموش ہوں جیوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ در کار چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کسی دل آزردے کے دامن کش ہیں یہ خار چمن

جی ٹک تو دے کے لوں جو تو ہو کار گر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہے گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو بدا ہو الہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اُس گلی کو جہاں تھا ترا گزر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اُس میں بھی پاؤں تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر کا کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجکو غیر پاس
پر جو خدا دکھاے سو نا چار دیکھنا

آ گیا رات میں جیوں دزد حنا تیرے ہات
ورنہ جا پانوں کو لاگی تھا چوری چوری

زاہد چلا ہے کعبے کو اور برہمن کنشت
بندے ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شراب خوار کے تشہیر کے لیے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
ہاتوں ہی میں تیرے کہیں پرواز نہ ہووے

یوں کہا شیخ نے شیطاں سے کہ آدم سے مل
آشنا مت ہو تو سودا سے خرابا تی کا

تو کہا ان نے کہ ہے میری سعادت اس میں
لیک ہے خوف مجھے آپ کی بد ذاتی کا

کھینچا نہ میں چمن میں آرام یک نفس کا
صیاد تیرے گردن ہے خوں اس ہوس کا

کب عشق کی حمیت یہ چاهتی هے مجنوں
ناقے کے پانوں اوپر تڑپے هے دل جرس کا

گلہ لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ هو آشنائی کا

زباں هے شکر میں قاصر شکستہ بالی کی
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رهائی کا

جو کہ هے ظالم وہ هرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز هوتے کھیت دیکھا هے کبھو شمشیر کا

توڑ کے بت خانے کو مسجد بنا کی تونے شیخ
برهمن کے دل کا بھی کچھہ فکر هے تعمیر کا

جو یہ منظور هے تم کو مرا دل لے کے جی لینا
کیا اک مجھہ سا دنیا سے ترے سر صدقے کیا هوگا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہوار کا
پہنچے کب اُس کو هاتھہ همارے غبار کا

موج نسیم اج هے آلودہ درد سے
دل خاک هوگیا هے کسی بے قرار کا

آوارہ هے اتنا کہ میں جاتا هوں جب اُس پاس
رهتا هے یہی سوچ کہ گھر هووے کا یا رب

دوزخ مجھے قبول هے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

ترے خط آنے سے دل کو مرے آرام کیا هوگا
خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا هوگا

نہ کھینچ اے شانہ اُن زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یوں نہ دے زنجیر کو جھٹکا

سجن میں رات سن کر ہر کسی کے پانوں کی آہٹ
اُٹھایا سر کو بالیں سے تو پھر دیوار سے پٹکا

پرے رہ برق خار آشیاں مرے سے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

نہ دی رخصت ہمیں صیاد نے تک سیر گلشن کی
بہت اے بلبلو کل بیچ قفس میں ہم نے سر پٹکا

کر قطع ہاتھ پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا

اس وقت میں جو مجھ تک پہنچو تو واہ وا ہے
گر قصد بعد میرے تم نے کیا تو پھر کیا

سودا یہ کیا کرے گا نت اس طرح کا رونا
عالم کو اے دوانے مت ساتھ لے ڈبونا

جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو عاشق کبھو نہ ہونا

ہر مژہ پر ہے تری لخت اس دل رنجور کا
خون ہے سودا اُپر ثابت مرے منصور کا

پونچھتے ہی پونچھتے گزرے ہے مجکو روز و شب
چشم ہے یا رب مری یا منہ ہے یہ ناسور کا

کیا کروں گا لے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

اس قدر بنت العنب سے دل ہے سودا کا برا
زخم نے دل کے نہ دیکھا منہ کبھو انگور کا

کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ کی فضائیں
کیدھر گئے ہیں ساقی وہ ابر وے ہوائیں

حسرت سے آئنے کا دل کیوں نہ ہوے پانی
شانہ حضور اُس کے زلفوں کی لے بلائیں

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں
دل لے کے بولتا ہے جو اب تو یہ بولیاں

ہر بات ہے لطیفہ و ہر یک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں

کیوں نہیں ہے آنکھوں کی کاوش سے دل کو چین
مژگاں نہ کر سکیں تو نگاہیں چبھولیاں

کیا چاہیے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گناہ کے خون میں چاہے تو بولیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے تنگ
جیوں خوش چھبوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

خواہ کعبے میں تجھے خواہ میں بت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

نہ استفسار کیجے ہم سے اس لب کی حلاوت کی
شکر کا ذائقہ خون جگر خواروں سے مت پوچھو

ہمیں گو نالۂ گُلچیں قفس کہتے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنے گرفتاروں سے مت پوچھو

ترا دل مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ کچھ میں کہہ نہیں سکتا

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھوسکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

مر جائیے کسی سے پہ الفت نہ کیجیے
جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

ملائم ہوگئیں دلبر برہ کی ساعتیں کڑیاں
پھر کٹنے لگی اُن بن نکٹ تیں جب بنا گھڑیاں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ کو ملتا ہے
نہیں معلوم کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے یہ دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جن نے دیکھا ترے منہ کو کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

قابل شانہ تری زلف ہوی جس دن سے
کبھو جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ابر مژگاں کے تصدق سے ترے اے سودا
سبز و خرم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

تونے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

جس سے پوچھا کہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

بوڑھوں بت کدے کے شیخ بیت الله کے صدقے
کرو لے جا کے سودا کو دل آگاہ کے صدقے

جن نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہار
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

سودا میں اپنے یار سے چاہا کہ کچھ کہوں
ایسے کہ اک نگہہ کی رہے من کے من کے بیچ

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

اب خدا حافظ ہے سودا کا مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دوانا تس پر آتی ہے بہار

صدقے ترے نہ کیجیو گلشن میں پھر گزر
اُس دن سے چاک کرتے ہیں گل پیرہن ہنوز

شبنم کرے ہے دامن گل شستہ و شو ہنوز
بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز

ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر
جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جست و جو ہنوز

ایک دن کھیر میں دامن کا ترے دیکھا تھا
گردہ پھرتے ہیں گریباں کے مرے چاک ہنوز

بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب کے ہم کُنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

ہوں گے پامال نہ کر ہم کو رہا اے صیاد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار ہنوز

تب سے پامال ہے دل کا ورق صبر و قرار
سبق ناز نہ لیتی تھی وہ رفتار ہنوز

زخم شمشیر ستمگر نے کیا کام تمام
یارو تم ڈھونڈھتے ہو مرہم زنگار ہنوز

شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقوے
عوض مے ہے گرو جبہ و دستار ہنوز

تیری دوری سے عجب حال ہے اس سودا کا
میں نے دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز

حق تعالیٰ اُسے جیتا ہی رکھے دنیا میں
اس قباحت سے نہیں ہے تو خبردار ہنوز

قیس و فرہاد کے مرنے سے تو جگ میں اب تک
دشت میں خاک بسر روتے ہیں کہسار ہنوز

ساقی کئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

کہتا تھا کل کسو سے کروں کا کسی کو قتل
اتنا تو کشتنی نہیں کوئی مگر کہ ہم

قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہکے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے وہاں نامہ بر کہ ہم

سودا نہ کہتے تھے کہ کسو کو تو دل نہ دے
رسوا ہوا پھرے ہے تو اب در بدر کہ ہم

مجکو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

تجھے مکتوب لکھہ سودا نے مرغ روح کو سونپا
نہ کھینچا انتظار اتنا بھی تا پیدا کبوتر ہو

جو مہرباں ہے سو سودا کو مغتنم جانے
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

غیر پہ نت ہے کرم ہم پہ ستم واہ واہ
دیکھہ لیا بس تمہیں ہم نے صنم واہ واہ

ہے زلف میں میرا دل مت کھینچیو تو شانہ
زنجیر نہ کھل جاوے ہے سخت یہ دیوانہ

نیم جاں ہیں یہ تری چشم کے بیمار کئی
مر گئے خنجر مژگاں کے گرفتار کئی

کُئی سسکتا ہے کوئی تڑپے بے حس ہے
آج دیکھے ترے کوچے کے گرفتار کئی

تیرے بازار میں اب کیوں کہ نہ بکڑے سودا
ایک یوسف نظر آتا ہے خریدار کئی

سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھہ نہ لے گیا
جلتا ہوں ایک میں ہی دل پر آرزو لیے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھہ انتہا بھی ہے

سمجھہ کے رکھیو قدم دشت خار پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برھنہ پا بھی ھے

پہنچی نہ تجکو آہ میرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ھی کچھہ کہی

عبث نالاں ھے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں یہاں رسم یہ کوئی کسی کی داد کو پہنچے

طریق عجز میں سجھہ سا تھہ جو مقابل ھو
سواے خاک نہ میرے کوئی بسر آوے

قاتل ھماری نعش کو تشہیر ھے ضرور
آیندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے

اتنا لکھائیو مری لوح مزار پر
یہاں تک نہ دے حیات کہ کوئی جفا کرے

فکر معاش و مہر بتاں یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ھو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاھد تجھے قسم ھے جو تو ھو تو کیا کرے

کیجو اثر قبول کہ تجہہ تک ھماری آہ
سینے سے ارمغاں لیے لخت جگر گئی

مت پوچھہ یہ کہ رات کٹی کیوں کہ مجہہ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گزر گئی

سودا لکھا فغاں کو یہ خط اس کے یار نے
جس وقت اُس کے حال کی اُس کو خبر گئی

سن اے فغاں جہاں میں عاشق جو ہوگیا
معشوق سے اسی روش اس کی گزر گئی

شیریں نے جور کب نہ کیا کوہکن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی جو لیلیٰ نہ کرگئی

کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اُس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ بس
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی

میں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مری
تیری صدائے آہ و فغاں گھر بہ گھر گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروے ابر اُتر گئی

لوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خوں کی بھروں در گئی

القصہ خط کو پڑھکے فغاں نے لکھا جواب
تیرے ہی دل کی چاہ نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی بات میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلیٰ جدھر تھی وادی مجنوں اُدھر گئی

یہاں تک تو گہت میں لیلیٰ کی مجنوں سما گیا
اُن کی اس اتحاد سے باہم بسر گئی

جاری ہوا ہے خوں رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلیٰ کی پوست مال اگر نیشتر گئی

ظالم کروز گل کا گریباں ہوا ہے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سی مر گئی

پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتے ہوے نہ بزم سے وقت سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھکو کیا
مجھہ سے جفاے ہجر کی طاقت اگر گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہے اُسے مجھکو جسے آزاد کرتا ہے

منہ لگاوے کون مجھکو گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو مجھے

نا توانی بھی عجب کچھہ ہے کہ گلشن میں نسیم
نت لیے پھرتی ہے دوش اوپر برنگ بو مجھے

کیا ضد ہے مرے ساتھہ خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

کہہ ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھہ چشم سے ٹپکا ہے کبھی لخت جگر بھی

کس ہستیٔ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار
کچھہ اپنی شب و روز کی ہے مجھکو خبر بھی

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

سعدی

سعدی دکنی از شعرائے قرار دادۂ دکن است و آنکہ بعض اعزہ را بسبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہہائے سعدی دکنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است ومن ادعی فعلیہ البینۃ :—

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

—— * ——

سجاد

والا ذہن بلند استعداد میر سجاد در معنی یابی رتبہ اش بلند است و پایہ اش ارجمند - ہرچند از تربیت یافتگان میاں آبرو است لیکن شعرش در چشم منصفان حق بیں بہتر از او است :—

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں
جیوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ چلا

کیوں مشت گل بھی دل کے نہ رونے میں بہ گئی
سجاد مجکو چشم سے باقی ہے یہ گلا

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی
مر جاے ستم سے اُن کے تو کہتے ھیں حق ھوا

گر تجھہ گلی کے آنے نے کھوے نہیں حواس
سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ھوا

یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ توت کر
آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوت کر

تجکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھہ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

عشق میں جاے کا کہیں مارا بے طرح دل ھوا ہے آوارا

دل میں تو خطرہ نہ لا ھرگز طبیب دیکھہ کر میرے مرض کو لا دوا

خط کترو کے آج قینچی سے ھم سے ملنے میں جاے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ھو کر سر مرا مجکو تن نہیں دیتا

مرا دیکھہ کر حال داماں کا پھٹتے کیوں نہ سینہ گریباں کا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ھیں ھم ندھڑ کے
ھرگز ھمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلالے کہ جاتا ہے ابر جو کچھہ باقی ساقی رھی ھو شراب

پند میں مت رہ دوانے عقل کے کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

جتنے چمن کے بیچ بتہاے ھیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ھیں سب اُتھہ کے سرو قد

ہوتی نہیں ہے سرد ہماری یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر

دور میں رخسار کے تیرے نہیں انصاف کہیں
خط چرا لے جاے دل کو اور باندھی جاے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اُس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی نہ پیار دلا کر تو اے سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج اگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق گلے لگاے
اگتا نہیں ہے تب تئیں ہرگز کچھ اُس کے انگ

زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اُس ساتھ آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اُسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

نا خدائی تک ایک کر ساقی ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جاے سر جاں اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

شرمندہ ہو گئی ہے وہی منہ سے آرسی
اب پھر کے روبرو ترے وہ ہرگز آئی نہ

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

تمہیں غیر سے صحبت اب آبدی اُسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

کچھ یہ سجان کے جی پر ھی عجب حالت ھے
ورنہ دیکھے ھیں میں اس درد کے بیمار کئی

سوچنے سے لبیں تو مت لے شیخ پشم نوچے سے کہا اُپڑتی ھے

اے صنم زنار پہنی تجھہ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر بھی ھوتا ھے خدا کے واسطے

ماہ رو بن یہ شمع محفل میں
جب سے روشن ھے سب پہ روشن ھے

سپر داری اس کی کسی سے نہ ھو
یہ ابرو تری ننگی شمشیر ھے

ھرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو
جان ھر چند ھم گئے ھوں گے

میووں میں حسن کے اب سب کے سری بھی ھے
خوبی کے باغ کا ھے گویا ترنج یہ پھل سا

بہار آئی سبھی غنچے ھیں خواھاں آج تو دل کے
شتابی سے نہ دیجیو بلبل ارزاں اُس کو تک سستا

تجھے لائق نہیں گل توڑ کر کے ھاتھہ میں رکھنا
تری یہ انگلیاں مہندی لگی پھولوں کا ھے دستا

وھی خانہ خراب اس دکھہ کو جانے
کہ جس کا عاشقی کے بیچ گھر جاے

سجن منع کروں ھوں مان جا تو
ھنسا مت کر رقیبوں ساتھہ ھا ھا

کوئی جا کے عاشق کو سمجھاے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پاے گا

کہا دل نے اتنا تو خوبوں کے تئیں
یہ دیکھو کہ اپنا کیا پاے گا

آئینے کی طرح وہ تجھہ منہ پر آے
ہو کلیجا جس کا لوھے سار کا

جس طرح کی باس کا ھے تو پھا
کوئی گل ایسا نہیں خوش بو پیا

اشرفی پیسے سے نہیں رکھتا ھے کام
جو کوئی پاتا ھے تیرا رو پھا

ایک ایک بال کر کے لے جان کے دے کے بوسا
لڑکوں کے ھاتھہ زاھد ڈاڑھی رھا ھے کھو سا

غم یہ سنگیں دلوں کا ھے بھاری نہیں جاتا کسی طرح ٹالا

لبریز ھو کے شیشے سے اُگلی پڑے ھے مے
کون اس کے اشتیاق میں ھے جاں بلب ھوا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ھے ھمیشہ رھے نام اللہ کا

رفتار کا تمھاری نہیں شور جگ میں اب کا
جا کوہ میں چھپا ھے خجلت سے کبک کب کا

ھم اسیروں کے دل پہ پھندوں کا
تیری زلفوں نے تار باندہ دیا

مجلس شراب کی نہیں ھوتی ھے آج گرم
گزرا ھے مے کدے میں کوئی شیخ شوم سا

دوانے کو نہیں خلعت سے کچھہ کام
وہ جنگل میں پھرے ھے بے سر و پا

ہر اک طرف کو اپنے یوسف کا ھو کے جویا
یعقوب سجھہ برابر کہیں خواب میں نہ رویا

عشق میں جی نکل نہیں سکتا
مر نہیں کوئی بے اجل سکتا

کیا کرے پانوں بھی کہ جنگل میں
کچھہ نہیں آبلوں سے چل سکتا

جو لگے تم کو بھلا جان وھی بہتر ھے
دل برا تم نے کہا ہم سے بہت خوب کیا

کیا دل سخت پر الفت کہاں جاے
بجھے سینے میں پتھر کے شرر کب

جام میں منہ سے لگایا تجھہ بغیر
آ رھا ھے جان میرا جان بلب

خاک سے دل چشم نرگس ھو اُٹھا
اب تئیں بھی دیکھنے کی ھے طلب

عبث نہیں ھے دریا کا یہ اضطراب
ترے زلف کو دیکھہ ھوتا ھے آب

تنہا نہ ایک چاند ھے گردش میں تجھہ حضور
کرتا ھے آفتاب بھی تجھہ آگے دوڑ دھوپ

مژگاں کی صف میں چھپ کے نگھہ یوں کرے ھے چوٹ
صیاد جیوں شکار کی ٹٹی کے بیٹھے اوٹ

بازی همیشہ دینے کے رہتے ہیں داؤ میں
زاہد جو بیٹھتے ہیں یہ خانوں میں مار کوٹ

سجاد تیر کھانے کو ابرو کمان کے
رکھتی ہے میرے دل کو نشانے کے سات چوٹ

جیتے جی ہرگز اُس سے اُٹھاتا نہیں ہوں ہات
تیری بھواں کی تیغ ہے ظالم یہ سر کے ساتھ

چپ رہ گئے ہیں دیکھ کے سب تجھ دھن کے تئیں
آتی نہیں ہے کہنے میں کچھ تجھ لبوں کی بات

خوش وقتوں سے کیوں نہ کرے ہاتھ پانوں گم
سجاد اُس کے پانوں لگیں جس کسی کے ہات

مہندی کی مچھلیوں کی طرح غرق خوں ہے دل
تجھ ہاتھ بیچ دیکھ کے اس شست کی نشست

میرے ضعیف سینے پہ یوں بیٹھتا ہے ہات
جیسے کہ ناتواں پہ زبردست کی نشست

یوں گھر گیا جو زلف میں کہا جانتا تھا دل
عاشق کو سر اُٹھاتے ہی پڑ جائے گا یہ پیچ

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دوری درد ہجر کا اور وصل میں جفا
اس عاشقی کے پنتھ میں مشکل ہے ہر طرح

غیروں کو جاں خواب میں غفلت کے ڈال کر
اک رات آ کے سو رہو ہم پاس آنکھ موند

آسماں ایک رقعہ وار نہیں غم کے لکھنے کو ھو بڑا کاغذ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب کیوں یہ رکھتے ھیں قبر پر تعویذ

چرخ کبود ھے یہ ھرگز نہ پوچھیو تم
دل سوختوں کی باندھا ھے دود دل نے گنبد

دشمن سبھی طرح ستی ھیں دین و دل کے یہ
کافر بتوں کا جی میں نہ دیوے خدا پیار

تو اُتھ کیا ھے جب ستی آغوش سے سجن
بیٹھا ھے جب سے دل بھی مرا مجھ سے لے کنار

کوھکن کیوں نہ سر کو پھوڑ مرے لی ھے جا کس پہاڑ سے ٹکر

ھلال آسماں سے بہتری میں ترا ایک ایک نو ھے دس برابر

بت پرستی و مے کشی سے دل کب تو توبہ کرے ھے توبہ کر

اٹھے ھے دیکھو ھر طرف بار بار صبا کیا اُڑاتی ھے گل کی بہار

بلاتا ھے امروز فردا ھمیں کسی کا نہیں آج کل اعتبار

باد صبا سے زلف معطر کی ھم تلک
مدت ھوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

نہیں ھم سے ھوتا ھم آغوش بھی
محبت کے رکھتا ھے بوس و کنار

لخت جگر ھمارا پانوں کے ساتھ کھا کر
کہتے ھو ھم سے باتیں یہ تم چبا چبا کر

ھجر کی راتیں بھی آخر کٹ گئیں
ایک سے رھتے نہیں ھیں دن ھمیش

اور ھی طرح کا سخت وہ کافر ھے سنگ دل
تو مثل اُس صنم کے نہ ھر بت کے تئیں تراش

دوستی میں کسے یہ بوجھہ نہ دی
تو دلوں پر نہ ھوے بار اخلاص

اپنا دشمن جو ھو کوئی سجاد
وہ کس سے کرے پیار اخلاص

چھوڑتے فصد اس دوانے کی
چھوٹ فصاد کی نہ جاوے نبض

یہ جلنا دل اپنے کا آوے ھے یاد
جہاں جلتے دیکھوں ھوں مجلس میں شمع

کب گریباں چاک پر تنگی کرے
ھے جنوں کے دشت کا دامن وسیع

جان! رونے کے سبب دل بجھہ گیا
مینہ میں جلتا رھے کیوں کر چراغ

پھول لالے کے نہیں جھڑ جھڑ پڑے یہ باغ میں
جو ھوے بسمل ھیں سو اُن کے ھیں یہ لوھو کے داغ

میرے تمام حال کو تقریر ھے یہ زلف
روز سیاہ نالۂ شبگیر ھے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رھتا ھے بیشتر
تنگ اس قدر ھے منہ کہ نکلتا نہیں ھے حرف

رھو آہ دل سوز سے میری فرق
کہ ھے خوشہ چیں اُس کے خرمن سے برق

بھنور میں تیری زلف کے دل مرا
سدا فکر میں ڈوبنے کے ہے غرق

سکوروں میں جلتے ہیں جیسے چراغ
یہ آنکھوں میں اس طرح جلتے ہیں اشک

سدا ٹوک لیتے تھے تم پیار سے
لگی کس کی اس ٹوک لینے کی ٹوک

نظر میں جس گھڑی اُس گل پہ ڈالی
نہیں آرام تد سے شاخ کو تل

کہیں ہر ہم نہ کہا جا شور محشر
قیامت شور پر ہے یہ میرا دل

نہ دیکھا دل نے اُس کو خواب میں بھی
عبث کس نیند تو سوتا ہے غافل

ہوتے نہیں جو شمع تری انجمن میں ہم
جلتے ہیں سوچ سوچ کے اپنے ہی من میں ہم

'سجاد' فکر میں نہ کروں کیوں کہ شعر کا
لگتے ہیں جاکے یار کے منھہ سے سخن میں ہم

رو دیا ترت یار نے 'سجاد' جب مری آنکھہ سے ملائی آنکھہ

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں سب مزے در کنار ہوتے ہیں
تیر ڈو بے کسی نشانے پر میرے سونے کے پار ہوتے ہیں
اب تو ہم نے کیا گریباں چاک تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

جو کہا غیروں سے اور ہم سے نہیں
سن رہیں گے ہم بھی وہ باتیں کہیں

آنے کا خواب میں بھی نہیں وہ کبھی نظر
'سجاد' تو کیا ہے عبث کس خیال میں

کس طرح کوہکن پہ گزریں گی ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

عشق سے کس کے نہیں داغ جگر جلتے ہیں
سنگ ہے تس کے بھی سینے میں شرر جلتے ہیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمہاری گلابیاں

دیکھوں طبیب درد کی دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو اک دھج ہے ابروے خمدار میں
کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

ہر سادہ رو منخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تھوڑا سا خط تو لکھ دیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منھ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

اے خدا درد ستی ہاے بت کافر کے
حال بدتر ہے ہوا تجکو ہے بہتر معلوم

دوانا کہاتا ہے جو دشت کا
نگل دیکھے تک آج میدان میں

کتابی ہے ہر شعر 'سجاد' کا
پسند اُس کو کرتے ہیں دیوان میں

سجن کی زلف پہ جب تک نگاہ رہتی ہے
نہ اشک تھمتے ہیں اک دم نہ آہ رہتی ہے

یہ 'سجاد' کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھاؤ

آکھڑا تو ہوا جو کوتھے پر کھر گئی عاشقوں کے بیٹھہ گئے

دل مرے کا لکھا ہے جب سے سوز تب ستی ہے قلم کی نوک جلی

سن کے میری فغاں کو عالم میں نے کسی نے پھر ہاتھہ بیچ ندلی

دل ہو گیا پھپھولا پیارے تمام جل کے
کیا تجھہ نہال سے ہوں اُمیدوار پھل کے

تنہا نہ دل مرے نے زلفوں سے تاب کہایا
گلشن کے بیچ سنبل کہاتا ہے تاب بل کے

ایسے ترے چمکتے دانتوں کو دیکھہ پیارے
پانی ہوجاے موتی مارے نہ کیوں کہ جھلکے

کیا جانتا تھا مجکو رسوا کریں گے سب میں
یہ طفل اشک میرے آنکھوں کے بیچ پل کے

تجھ سا تھا رات بس کے نہیں کوئی رہا شگفتہ
ہر صبح دم پکارے کہتے ہیں ہار گل کے

بات احمد کی بہت زیادہ ہے   عقل کا وہاں سوار پیادہ ہے
چرخ سے شق ہو چاند کا گرنا *   طشت از بام اوفتادہ ہے

—*—

سلام

نجم الدین علی خاں 'سلام' پسر شرف الدین علی خان
پیام از مے خانۂ تربیت پدر جرعہ خواری فہم و
ادراک نمودہ در خم خانۂ ہند سر خوش نشۂ
تماشا است :—

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بھلا ہو! قسم ہے تمہیں میرے صبر کی
مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

—*—

سعادت

سعادت اللہ خان 'سعادت' خمیر مایۂ ہستیش

کے (ن) کرنا (کرنیں) —

از خاک امروهه بود و در سخن تلاش معنیٔ تازہ

می نمود: —

نہیں تجھ ہجر میں پیتے شراب ارغوانی ہم
ارے ساقی ترے مارے نہیں مانگوں گے پانی ہم

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف ہوجاتا ہوں دو پیالوں میں مست

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تو تیل میں ڈالے ہے ہات

— * —

سراج

میر سراج الدین 'سراج' نشو و نمایش از خاک

دکن است و طبع روشنش شمع بزم سخن: —

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

پتھر بھی نہیں ہے شرر شوق سے خالی
بے تابیٔ نبض رگ خارا کی خبر لو

مجھے مصری سٹی بے زاریاں ہیں
وہ شیریں لب کی باتاں پیاریاں ہیں

چلائی موتھہ شمشیر نگہہ کی
وہ جادوگر میں کیا عیاریاں ہیں

نہ پوچھو آسماں پر تم ستارے
ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں

غزل خوانی چمن میں بلبلوں کی
ہماری تعزیت کی زاریاں ہیں

مجھ سے غم دست و گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
چاک سینے کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

آہ سوزاں سے مرے دامن صحرا میں سراج
قبر مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اب تلک مجھ کو کسی شخص کے چہرے کا خیال
صورت آئینہ حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا

میں نہ رکھتا تھا شہیدوں کی عبادت کی خبر
اب دم خنجر کے پانی سے وضو کرنا پڑا

مانگ تیری جیس کے ظلمات میں
ماہ نو دیکھا ہے آدھی رات میں

خواب میں بھی دیکھنا اس کا مجھے مشکل ہوا
بسکہ رہتا ہوں خیال یار میں بیدار نت

ناز کے دیوان میں اے مطلع حسن و جمال
قد ترا ہے مصرع و ابرو ہے بیت انتخاب

اے جان سراج آج دکھا درس تو اپنا
ہے وعدۂ فردا مجھے فردائے قیامت

لیا ہے نقد جانِ بلبلاں یعنی خراج اپنا
چلایا خسرو گل نے اسی رنگوں رواج اپنا

ارے غم صبح آنے کی خبر ہے سرو قامت کی
قیامت کل تو آتی ہے عمل کرلے تو آج اپنا

لگا کر راکھ جوگن ہوئی قمری باغ کو تج کر
مگر کوئی سرو قد کے واسطے چھوڑے ہے راج اپنا

ترا غم زہر تھا پن نوشدارو جان کر کھا یا
کیا ہے اپنے ہاتھوں دل ہمارے نے علاج اپنا

وہ ظالم مجھکو جلتا دیکھکر اتنا بھی کہتا نہیں
کہ کیا ثابت قدم ہے کیوں نہ ہو آخر سراج اپنا

ہر دم دم خنجر آسے اس سر سے گزرنا
اول قدم شوق ہے منزل کو ہماری

آفریں دل کا مرا خون بجا کام آیا
سچ سپاہی کو بڑا نام ہے تل جانے کا

تھر تھراتا ہے ہر سحر خورشید دیکھ تجھ چہرۂ زروی کی طرح

دستار بادلے کا چلا باندھ شعلہ رو
شاید کہ آفتاب سے چہرا بدل کرے

کل سے بیکل ہے مرا جی یار کو دیکھا نہ تھا
کیوں نہ ہو بے تاب دل دلدار کو دیکھا نہ تھا

سینۂ گلزار میرا اس کو آیا ہے پسند
یار نے شاید کبھو گلزار کو دیکھا نہ تھا

یار آتا ہے مرے قتل کو اور میں ہوں خجل
حیف اس وقت میں میرا دل بے جان نہ ہوا

اول کی تم تو بھول گئے مہربانیاں
لانے لگے ہو خوب تغافل کی بانیاں

مجھ دل کے کوہ طور کا سرمہ دئے ہو تم
باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں

دامن تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

عید وصل سرو قد سے ہیں مرے گھر شادیاں
عالم بالا سے آتی ہیں مبارک بادیاں

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

—*—

سامان

میر ناصر 'سامان' متاع سخن گوئی از بازار تربیت میرزا مظہر اندوختہ بہ تاجری کالاے معنی بلند آوازہ بود و شعر را بزبان فارسی خوب می گفت احیاناً خیال ریختہ ہم بخاطرش می ریخت سالے چند ازیں پیش امانت جاں بمقتضاے اجل تسلیم نمود و راہ مراحل مرگ پیمود -

اُنہیں کیوں کر نہ اب دل سے بھلا دو کے
کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

خبر بھی اڑنے سے رہ گئی ہے
کبوتر اڑ گئے پیتم کے کوکے

——— * ———

حرف الشین

شوق

حسن علی ' شوق ' تخلص استعدادش از آبیاری طبع خان آرزو آبے بر رو آوردہ و سر سبز کردہ مضامین رنگین باب و رنگ بستہ و تلاش معنی تازہ کردہ است -

قاصد پھرا نہ وھاں سے جو اب تک تو آچکا
القصہ اس گلی میں گیا جو سو جا چکا

اگر قاصد ترے کوچے سے تک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ھی جاوے گا

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا
مری فردائے محشر آج ھے موں کل سے در گزرا

کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ھم جاتے
برنگ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ھنسنا بھی کم نہیں

ترو ار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
پیا سے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا نت نیا اک ناز ہے
ہو چکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ہے

خبر لے شوق کی ظالم تری فرقت میں مرتا ہے
بد از ترروار ہے اس پر جو کوئی دم گزرتا ہے

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑ کائی

کیا کیا ستم نہ تھے جو کئے چشم یار نے
جو سختیاں تھیں مجکو زمانہ دکھا چکا

آنکھوں کی سیاہی بھی سفیدی کے نظر کی
رو رو کے یاد تری میں یوں شام و سحر کی

شاغل

'شاغل' ظاہرا مشق سخن از بسمل کردہ است ۔

جاتی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ
شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

—*—

حرف الصاد

صانع

'صانع' زاد کاهش گل زمین بلگرام است -

کیا رخصت سگ جانا ں کو دیکر استخواں اپنا
نچھوڑا ھاے کچھہ مجنوں نے صحرا میں نشاں اپنا

سجن کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل صانع
نہ تھا معلوم ھوجاے گا وہ نا مہر باں اپنا

---*---

صنعت

مغل خان ، صنعت ' از اقرباے نواب نظام‌الملک آصف جاہ است و این اشعار بر معنی یابی او گواہ است —

سینے میں آہ دل میں تپش اشک چشم میں
شہرہ یہ عاشقی کا مرا گھر بگھر * ھوا

غمزے سے مارتا ھے جلاتا ھے ناز سے
کیا ملک حسن کا صنما تو خدا ھوا

یار گھر جاتا ھے یارو کیا کروں ھاے گھر جاتا ھے یارو کیا کروں
در درستیء قافیۂ این شعر تردد است -

---*---

صمصام

نواب امیرالامرا صمصام‌الدولہ 'صمصام' تخلص

[ن] * جا بجا

رحمۃ اللہ علیہ -

نزدیک ہے خزاں کا ہووے گزر چمن میں
اب شور کر لے بلبل آوے جو تیرے من میں

—— * ——

حرف الضاد

ضیا

'ضیا' نشو و نمائش از خاک پاک ہندوستان است و بچنیں اشعار تر زباں -

گریان و خاک اُڑا تا جیوں ابر جیوں بگولا
صحرا میں تونے مجنوں وحشی ضیا کو دیکھا

—*—

حرف الطا

طالع

میر شمس الدین 'طالع' خوش طلعت و پاکیزہ رو بود در عین عنفوان جوانی مرغ روحش بسر پنجۂ شاہین اجل گرفتار گردید -

عرصے میں ہے اے زاھد اس دور میں پیمانہ
مسجد کے تئیں جاویں کیوں چھوڑ کے مے خانہ

آباد کر اے طالع تو چل کے بیاباں کو
مرنے ستی مجنوں کے ویران ہے ویرانہ

نہ جا ناصح کی باتوں پر وہ تیرا درد کیا جانے
وہی کر تو ارے دل جس میں کچھہ اپنا بھلا جانے

جفاے یار کو ہم التفات و ناز کہتے ہیں
شفا و عافیت کو اپنی ہم آزار کہتے ہیں

زبس معمور ہے سینہ گلوں سے داغ الفت کے
شگاف دل کو ہم اپنے در گلزار کہتے ہیں

*

حرف الظا

ظاہر

خواجہ محمد خان 'ظاہر' طوطی طبعش بہ آئینہ داری میرزا مظہر بگفتار آمدہ بود ظاہرا بعد ورود نادر شاہ راہ مراحل مرگ پیمود -

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی
جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

محبت کوہکن کی رنگ اگر جا کر نہ پھیلاتی
نہ خسرو سرخ ہو آتا نہ شیریں زرد ہوجاتی

ناز سے تک اُٹھا نقاب کے تئیں
دور پردے میں کر حجاب کے تئیں

اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوتی
ممکن نہ تھا کہ اس کے دل کو خبر نہ ہوتی

باطن میں گو کسو سے تجھے دوستی نہ ہو
لیکن تجھے رعایت ظاہر ضرور ہے

ظہور

شیو سنگھہ "ظہور" در موزونان عصر بہ خوش گوئی و نیکو بیانی مشہور است - در ریختہ تتبع دیوان انعام اللہ خاں یقین می کند و در اکبر آباد بسر می برد :-

از بس کیا بہار نے سب کوہسار سبز
کیا ہے عجب جو سنگ سے نکلے شرار سبز

ظہور اس بات پر مت جائیو زنہار تو اس کی
کہ جو کہتا ہے سو وہ سرو گل رخسار کرتا ہے

چمن میں باندھنے مجکو نہ آشیاں دیتا
گلوں سے ملنے کی رخصت تو باغباں دیتا

رقیب ضد سے دوانہ ہوا مری ورنہ
یہ بوالہوس کوئی برباد خانماں دیتا

جی نکلتا ہے مرا اس بے وفا کے واسطے
اس کو لے آؤ کوئی مجھہ تک خدا کے واسطے

مجھے منظور تیرے باغ میں چلنے سے اتنا تھا
چمن میں قد ترے کو دیکھہ کر شمشاد اکھڑ جاتا

بیاباں میں مرے مرنے سے اب تک خاک اُڑتی ہے
مرے ماتم کے کرنے سے تو ویرانہ نہ باز آیا

ہمیشہ زلف خوباں کو کرے ہے درہم و برہم
مرے دل کے ستانے سے کبھو شانہ نہ باز آیا

——§*§——

حرف العین

عاصی

خواجہ برہان الدین عاصی فکر صواب اندیشش عاصم از خطا است:—

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار در گلشن
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

——§*§——

عارف

'عارف' از تربیت یافتگان مضمون است معرفت سخن از شعر عارفانہ اش پیدا است:—

دختر رز سے کہہ کہ اس سے مل ورنہ عارت افیم کھاوے گا

هزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

——‡*‡——

عشاق

'عشاق' رسائی طبعش از تخلصش پیدا است و
بلندی ذهنش از سخنش هویدا:—

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نے کچھہ نہ اُکھاڑا بہار کا

——§*§——

عزیز

مصر سخن را عزیز شاہ عزیزاللہ عزیز طبع رسا
داشتہ و فکر والا' شعر را عارفانہ گفتہ و گل چاک جنوں
از گریبانش شگفتہ:—

ڈرتا نہیں ہوں بانک و کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھہ تری بل گیا ہوں میں

کان نمک ہوا ہوں ترا حسن سبز دیکھہ
لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

——§*§——

۱۵۸

سیتا رام مدہ تخلص زادہ کاھش کشمیر است و سخن او بدل جاگیر در ریختہ تتبع دیوان انعام اللہ خاں یقین می نماید و شعر را بشفتگی و رفتگی می گوید:-

نہ اپنے مبتلاؤں پر غضب اے نوجواں رہیے
اُنھوں کی دلبری کیجے اُنھوں پر مہرباں رہیے

مدام کہوں کہ مرا جی رہے نہ صہبا میں
کوئی شراب سی شے دوسری ہے دنیا میں

یہ تو توتے سخن سخت سے وہ پتھر سے
میرے سے دل کی کہاں ناز کی ہے مینا میں

کمی تونے نہ کی اے باغباں میرے ستانے میں
نپایا چین سے رہنے میں اک آن * آشیانے میں

چمن میں اس کے آنے نے منغص کردیا مجکو
خلل صیاد نے ڈالا مری دھو میں مچانے میں

گلی تک یار کے چلتے اُسے آزار پہنچے گا
کہاں دارالشفا تک یہ دل بیمار پہنچے گا

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی
کہ میری نعش پر وہ سرو گل رخسار پہنچے گا

اُس نے نہیں کیا کبھو ہم سے برائیاں
مرجائیے جو یار کرے بے وفائیاں

---

* (ن) میں نے ایک آن اِس۔

تونے ہمارے دل کو ستایا تمام عمر
کرتا ہے کوئی کسو ستی اتی برائیاں

پھنسا کر آپ کو بالوں میں اس شانے نے کیا پایا
پہن کر پانوں میں زنجیر دیوانے نے کیا پایا

کہے گا یار سے اے دل غم اپنا تو تو کیا ہوگا
دکھہ اپنا شمع سے کہہ کر کے پروانے نے کیا پایا

نہ کیجو خاکساری ہیچ کہ اے عمدہ تو ہرگز
ملا کر آپ کو ماتی مہں ویرانے نے کیا پایا

کسی کے سینے میں ہرگز مرا سا داغ نہ تھا
مرے چراغ سا روشن کوئی چراغ نہ تھا

چمن میں کھینچ کے لاے ہیں گلرخاں * مجکو
وگرنہ سیر چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

نہیں آزادگی عاقل میں دیوانے میں ہوتو ہو
تلاش سوختن کس میں ہے پروانے میں ہوتو ہو

ممکن نہیں کہ جائیں ہم ان گلرخوں کو چھوڑ
جاتی ہیں بلبلاں بھی کبھو گلستاں کو چھوڑ

اے دل گلی سے یار کی کرتا ہے کہوں سفر
کیوں کر جہے گا ایسے سجیلے جواں کو چھوڑ

مرنے کے وقت یار نے مجھہ سے کہی یہ بات
اے عمدہ تو چلا ہے کدھر اس جہاں کو چھوڑ

---

* (ن) وحشتیں ـ

دل ہمارا دشت و ہاموں کا ہے دیوانہ ہنوز
مر چکے ہیں تس پہ خوش آتا ہے ویرانہ ہنوز

حکم کیا ہے اسے راتوں کو ترے کوچے میں
دل مرا نالہ و فریاد کرے یا نہ کرے

عمدہ اب ہم تو بہت یاد اُسے کرتے ہیں
یاد ہم کو وہ پری زاد کرے یا نہ کرے

خراب مجھکو نہ کر جان! آشنا کر کر
برا کرے ہے کسو سے کوئی بھلا کر کر

صیاد کے تو ہاتھ کہاں تک نہ آے گی
بلبل قفس سے کب تلک اب دل چھپاے گی

رباعیات

ناصح کا یہی کام ہے تدبیر کرے جو ہووے دوانا اُسے زنجیر کرے
اس میں وہ جیسے یا مرے لازم ہے اُسے تدبیر کے کرنے میں نہ تقصیر کرے

---*

تک ایک تو کر انتظار جاتا ہے کہاں
تک اک تو پکڑ قرار جاتا ہے کہاں

اتنی بھی اے دل تو نہ کر بے صبری
آتا ہے وہ یار دیکھ جاتا ہے کہاں؟

---*---

ناحق تو بتاں سے آشنا ہوتا ہے
کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے

مطلق نہ مروت ہے انہوں میں نہ وفا
مجھ سے بھی عبث دل تو جدا ہوتا ہے

—*—

رہتا ہوں خوش اپنی جان محزوں سیتی
رکھتا ہوں میں اختلاط ہاموں سیتی

جس طرح بھرا میرے جنوں سے صحرا
کب دشت تھا آباد یوں مجنوں سیتی

عزلت

صاحب طبع والا فطرت حضرت سید عبدالولی 'عزلت' پسر سید سعداللہ قدس سرہ بتصفیۂ ظاہر و باطن مجلی است و بدریافت علوم کسبی و موہبی محلی۔ اصلش از موضع بریلی است و مولود و منشاش سورت۔ کتب متداولہ عربیہ ہمہ آموختہ است و از فارسی نیز بہرہ اند وختہ' خوش گو و خوش صحبت کسے است خداش سلامت دارد—

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالہ فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

نخل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

مقام زندگی سے کوچ کر گئے جلد یار اپنے
وہ منزل پہنچے اور ہم باندھتے رہ گئے ہیں بار اپنے

اسیری بے مزہ لگتی ہے سن صیاد کیا کیجے
قفس کے کنج میں تنہا عبث فریاد کیا کیجے

پٹکتا سر جو سنگ صورت شیریں سے بہتر تھا
عبث تیشے کے سر خوں دے گیا فرہاد کیا کیجے

ہم راستوں سے بھی جو کچھ اقرار تھا سو ہے
نا آشنا صحیح و دل آزاد تھا سو ہے

پی کیف میں ہے چور نہ جانوں کرے گا کیا
دونا ہوا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

دو زلفوں میں پھنسا تھا پھر خبر نہیں دل پہ کیا گزری
غبار مشک تھا اِس راہ میں گھایل پہ کیا گزری

اُڑا تھا جیوں شرر دل اپنے دود آہ میں عزلت!
مسافر پر پڑی تھی شام غم منزل پہ کیا گزری

سب آشنا ہوئے پی کے بچھڑتے بیگانے
ہوی ہے بے کسی اب یار دیکھئے کیا ہو

اے قاتل قبر پر میری کبھو بھولے گزر کیجو
جو یاد آجاؤں ہنستے ہنستے اک پل چشم تر کیجو

جہاں کی آنکھ سے جیوں اشک جو گرا ہووے
تو اُس کا غیب سے طالع کا عقدہ وا ہووے

وہ گلرو کیا تری بلبل اُپر بیداد کرتا ہے
کٹے جب بال و پر تب وار کر آزاد کرتا ہے

ہر دم وہ صنم گر مرا خوں خوار نہ ہوتا
با لدہ کہ جینا مجھے درکار نہ ہوتا

بے قدری سے روشن دل اگر داغ نہ ہوتے
ہرگز کسی آئینے پہ زنگار نہ ہوتا

ہوش و دل لے کر ہمارا اب نہیں لوٹا سلام
دے جواب اے بے مروت ہم نے تیرا کیا کیا

مت جھٹک ہم جلوں اوپر دامن
بات سن راکھ لے اُڑا مت دے

وہ سخت تر اول سے ہوا سن مری فریاد
نالوں کا مرے پتھر اثر ہووے گا یارب

اگرچہ یار میں وحشت ہے کچھ میا بھی ہے
ہے اس کی وضع تو بیگانہ آشنا بھی ہے

اے تلخ گو ترے لب شیریں میں سحر ہے
تو جس کو گالی دیوے وہ تجکو دعا کرے

حشر میں قبر سے کہتا ہی اُٹھے گا مے کش
کہ کہاں مے ہے کہاں جام کہاں ہے شیشا

بندے ہیں تیری چھب کے مہہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

مت ہو تو نیلا پیلا بخت سیاہ کر اُجلے
اے الفی شال والے بھگوے رومال والے

میرا غبار دل میں اُسے بہشتر کیا
خاموش ہو کے نالوں نے کیا خاک اثر کیا

بہاروں میں نہ جکڑو مجھکو اس گل‌رو کا مجنوں ہوں
مرے زنجیر کرنے کو گلابی ہار بہتر تھا

سب سے آزاد و گرفتار ہوں کن کا اُن کا
بندۂ فدوی سرکار ہوں کن کا اُن کا

یار عاشق کا خریدار کہاں ہے کہ نہیں
مہرباں ایک وہ باریک میاں ہے کہ نہیں

مجھکو گل رو نے خموشی سے کیا قتل سو کیوں
بلبلو تم کہو کیا منہ میں زباں ہے کہ نہیں

جلایا مصحف دل تونے کیوں برق تغافل سے
جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

کیا دن پڑے ہیں مجکو تری صبح وصل میں
بخت سیہ کی کھیتے بتا رات ہوگئی

تنہا چلا میں جیوں طرف وادی جنوں
زنجیر پانوں پڑ کے مرے سات ہو گئی

اے سالک انتظار حج میں تو کیا ہکا بکا ہے
بگولے سا تو کرلے طوف دل پہلو میں مکا ہے

چراغ گل کو روشن کردیا آہوں کے شعلے سے
ہزاروں درجے بلبل خام پروانے سے پکا ہے

جو ہے ہر سنگ میں پنہاں سو آتش لعل سے چمکے
سبھی میں حق ہے پر عارف میں کیا رسوا جھمکا ہے

نیم بسمل ہوا میں تیغ نگہ تب رکھہ لی
کس بھلے وقت برا ہو گیا جلاد کہ بس

کب لگ احباب کا غم مجکو دکھاوے کا فلک
خاک ہوگئے ہیں بہت اور ہیں چلن ہار کئی

دیکھکر موتی وہ بالوں کا بتوں نے پکڑے کان
شمع رو میرا یہ سب آتش رخوں کی ناک ہے

خاطر یاراں میں ہے ہم خاکساروں کا غبار
صاف ہے شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

اُس آہن دل کا جوہر مثل خنجر خوں فشانی ہے
صفاے دل کا وہ ہر چند دم مارے زبانی ہے

بگولا ہو کے راہ بے ستوں میں کوہکن اب لگ
سُم گلگوں کی ماتی ہاتھہ ململ چھانتا ہیگا

چشم رکھتا ہوں کوئی ایک پل نہ رووے مرے بعد
آپ کو جیوں شمع میں مرنے سے آگے رو چکا

جلوں گل رخاں میں مثل لالہ خوش رہا کرئے
جگر پر داغ کھا کر خون دل پی کر ہنسا کرئے

پیر ہو شیخ ہوا ہے دیکھو طفلاں کا مرید
مردہ بولا ہے کفن پھاڑ قیامت آئی

غضب ہے وہ صنم آنکھیں دکھا نظریں پھراتا ہے
یہ دل دیونے کے عصیاں کی سزا ہے حق دکھاتا ہے

جو ہم یہ طفلوں کے سنگ جفا کے مارے ہیں
بتوں کا شکوہ نہیں ہم خدا کے مارے ہیں

جو اک دم منہ لگاوے اس کو بھی کھٹ جاے کیا تیرا
کہا حقے سے بھی کیا یہ دل فریاد کش میرا

میں وہ مجنوں ہوں کہ جیوں گل چمن محشر میں
ہوگا دامن پہ مرا پھاڑتے گریباں کے ہات

ہوا ہے قحط الفت تب تو دیوانوں کو طفلاں سے
بجز دشنام سنگیں ابتو پتھر بھی نہیں ملتے

جلد مرگئے تری حسرت میں ہم پر ترا دیر کا آنا نہ گیا

جیوں موج آب ہے یہ جنوں جز و تن مجھے
زنجیر کی صدا ہے دم زیستن مجھے

ایک بوسہ دے اے کافر بت خدا کے واسطے
مر رہے ہیں ہم اسی آب بقا کے واسطے

سیہ روزی اے شیریں لب میں سعی آہ سے کاٹی
وہ پربت سی شب ایسے تیشۂ جاں کاہ سے کاٹی

گئے سب مرد رہ کے رہزن اب الفت سے کامل ہوں
اے دل والوں میں ان دل والیوں سے سخت بیدل ہوں

ہر آن جیوں نفس سفری ہیں جہاں کے لوگ
جاتے ہیں پیش و پس چلے اس کارواں کے لوگ

پر زنگ ہے آئینۂ دل ہند سے عزلت
گر چاہے صفا ہاں تو صفاہاں کو پہنچ تو

موے پر بھی توجہ ہے جنوں کو میری عزت پر
بنا پتھر اسے طفلوں کے گنبد میری تربت پر

فصل گل میں چاک اپنا گریباں کیجیے
دل سے ٹانکے عشق کے ادھڑیں اگر ٹک سیجیے

جنوں سے ربط ہے جیوں موج آب اتنا مرے جی کو
کہ نقش زندگی مت جا نہ پھاڑوں گر گریباں کو

جاتا ہوں اشک باری جو اب نہیں تو پھر کب
اے چشم دوست داری جو اب نہیں تو پھر کب

شانہ اُس زلف میں پھرتے یہ سخن کہتا تھا
بات کہتے میں شب وصل چلی جاتی ہے

نیز در شان حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام
واقع شدہ است :—

واسطے اُس شاہ کے فراش قدرت ہر سحر
کھینچتا ہے خیمۂ خرشید سے زریں طناب

—§*§—

معتبر

معتبر خاں عمر تخلص از تربیت کردہ ہائے ولی
دکنی است از منصب داران سرکار والا بود و در
سخن تلاش معنی تازہ می نمود :—

اُتری رونے سے مرے ابرو کماں کی بھوں سے چین
کس طرح ٹھیرے کماں اس بارش و برسات میں

اپنی آنکھوں اُپر نگاہ کرو آج مخمور ہیں پیا کیا ہی

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو کیا اسیروں کو مار ڈالوگے

ایک رسوا بہت ہے شہرے کو جمع کر کیا اچار ڈالوگے

تل میں دل لے کے یوں مکرتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں

مجھے زلفیں دکھانا کیا سبب تھا میں نہیں بوجھا
اُلجھنا اُس میں دل کا وقت شب تھا میں نہیں بوجھا

باغ میں صرصر سے ہوتی ہے خزاں آخر کو دیکھ
عاقبت عاشق کی آہ اے گلبدن بربادہ نہیں

—§*§—

عاصی

نور محمد عاصی از برہان پور است طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد:—

سمجھے ہیں ہم کہ اب کہیں تم نے بھی دل دیا
بیٹھے کہیں ہو بات کہیں ہے نظر کہیں

آتا تھا تیرے منہ کے مقابل ہو آفتاب
ایسا کرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں

کیا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے
آہستہ سیو زخم ہیں دل کے آلے

ترچھی وہ نظر گزر گئی سینے سے
ورنہ تیز ہے * بہت ہیں دیکھے بھالے

——§*§——

عاشق

میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علی خاں عاشق مولد
و منشاش دکن است و فکرش بلند و سخنش ارجمند در
مرثیۂ حضرت سید الشہدا گوید :—

ہیں شہید کربلا سب سرخ پوش
مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے

رزالا یار جب بولا مرا آنا رپے پر ہے
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو رپے کے سولہ آنے ہیں

وقت بد میں کیا کسی سے ہے رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سائے سا رفیق

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں لیک منہ دیکھی آشنائی ہے

یار کو دیکھ میں قربان ہوا اس تجارت میں مجکو وارا ہے

نکلے ہیں اجلے بال چڈاتے ہیں تب سے ہم
بوڑھوں کے بیچ ہم بھی چنڈے جوان ہیں

ہاتھ پر ہاتھ مرے دھر کے چلے آئے ساتھ
دیکھو طالع کی مدد آج مرے ہاتھ پڑے

---

* (ن) نیزے—

کیوں کر بره کے روز کٹتیں اے کمہارنی
اب تو هزار سال کے بدھنے لگے گھڑے

-§#§-

عاجز

عارف علی خاں عاجز تخلص ریختہ را هموار می
گوید و در خجستہ بنیاد می گذراند :—

اے زرد پوش تم هو اگر شاخ زعفران
عاجز بھی باغ عشق کا رنگیں پلنگ هے

تری برگشتہ مژگاں کا خیال آتا هے یوں دل میں
دکن کی فوج جیوں بھالے پکڑ بلکاہ پر آوے

تری بانکی گلی میں هم گزر کو سر سے بیٹھے هیں
خدا وہ دن کرے قاتل کہ تو اس راہ پر آوے

جنجال زندگی سے کیا هوگیا جو چھوٹے
عاجز ابھی پڑا هے ملک عدم کا جھگڑا

تری دامن میں اے گلرو همارے اشک خونیں سے
پلک کے هاتھہ میں یاقوت کے دانوں کی مالا هے

وہ دوانا هوں کہ اب شہر کو صحرا سمجھوں
چتر شاهی کو بگولے کا چھلاوا سمجھوں

اگر اس شعلہ خو کی بزم میں جیوں شمع جل سکیے
پتنگے کی طرح جی سے فدا هونے کو چل سکیے

نگھہ کی مارتا برچھی چلا آتا ہے وہ ظالم
کلیجا چھن گیا دل چھوڑ دیا کیوں کر کہ ٹل سکیے۔

ہماری شرح بیتابی کے تئیں تحریر کر سکیے
جو بجلی کے تڑپنے کی طرح تقریر کر سکیے

مصور نے مرے آنسو بھرے آنکھوں کے نقشے کو
نپٹ رو رو کے آب گوہر غلطاں سے کھینچا ہے

مری چھاتی ستی جب آہ کی باہر نفیر آوے
جگر کو چھید کر جی کو جلا کر دل کو چیر آوے

اگر کیفی سخن میرا نہال تاک کو پہنچے
صراحی شاع ہوجاوے شراب انگور سے ٹپکے

وہ چنچل کومل زلفیں ناز سے شانے کو پھیری ہے
ارے دل کیا خبر تیری کہ آنکھوں میں اندھیری ہے

پڑیں میرے گلے میں قمریوں کے طوق کے حلقے
اگر وہ سرو قد زلفیں کھلی مجھ بر میں آ بیٹھے

ہنسے جب کھل کھلا کر وہ رنگیلا پھول بن جاوے
نظر جب تیز کر دیکھے پتی کی ہول بن جاوے

عجب شور جنوں ہے ان دنوں میرے خیالوں میں
کہو مجنوں سے دو دن چپ رہے مجہول بن جاوے

اڑاویں جب چمن میں خاک سر پر اس رنگیلے بن
سر اوپر بلبلوں کے نکہت گل دھول بن جاوے

دوانو کوہ و صحرا پر جنوں میرا ہوا حاکم
کوئی جا کر کہو فرہاد و مجنوں کا وکیل آوے

مجھہ سے بے دل کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصور صورت دلگیر کھینچا چاہیے

حرف الغین

غریب

محمد زماں غریب شعرش خالي از غرابت معنی نیست :—

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب
حسرت چمن کی کاہے کو یہ باغ ہے غریب

—*—

حرف الفا

فغاں

اشرف علی خاں فغاں تخلص از عمدۂ منصب داران عہد سعادت مہد است وضع ظریفانہ دارد بمقتضاے مرابطت روحانی باریاب سخن گرم می جوشد و سریشم اختلاطے می نماید :—

شکوہ کرے ہے کیوں تو مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

آوارہ پریشاں و شکستہ دل و بد نام
سنتے تھے فغاں جس کو سو آ جھی نظر آیا

هستی کی خرابی نظر آتی جو عدم میں
هرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ هوتا

اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ھے
پس چاهیے تسبیح میں زنار نہ هوتا

— * —

فضلی

شاہ فضلی دکنی ' طبعے بلند و فکرے ارجمند
دارد برخے ازاں بزبان خامہ و سینۂ کاغذ می سپارد :—

مصور گر تری تصویر کو چاھے کہ اب کھینچے
لگاوے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو

سجن کو میں کہا تک مُنھ تو دکھلا
کہا آئینہ رو نے بیٹھ منھ دیکھ

زلف کے سلسلے کے طالب کو
پیچ دے کر مرید کرتے هیں
تیرے رخسار کی صفا آگے منھ دکھو آرسی کی صافی کا

* —

فدا

فدا نمی دانم کیست و کجا ئیست - ایں قطعہ

ازو بما رسیدہ است :—

مست شراب بند قبا وا کیے ہوئے
پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں

کہنے لگا لے تیغ کو غصے سے ہات میں
سنتا ہے بے یہ کون زباں ہے میاں میاں

حرف القاف

قائم

محمد قائم 'قائم' تخلص شعرش پسندیدہ است
و فکرش سنجیدہ :—

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر یک حباب کا
اُٹھ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام مے کشو
ہے یہ بھی ذرہ آخر اُسی آفتاب کا

درد دل کچھ نہیں کہا جاتا
آہ چپ بھی نہیں رہا * جاتا

ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم
کیا کروں پر نہیں رہا † جاتا

[ن] رہا نہیں   †[ن] رہا نہیں –

جا ہے ما تم کو نت مرے دل میں
اِس نگر سے نہیں رہا * جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لیتا ہے کبھو نام کسی کا

یک دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت ہم کو خریدار بہت

بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر
ابھی تو کُھل گیا ہے تو برس کر

بہار عمر ہے قائم کوئی دن
اُسے جیوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب بے درد بوجھے ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں اِنھوں کو عیش سوجھے ہیں

روکے ہے کون تیغ مرے عشق نے کہا
بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم

افغاں وآہ کشتۂ بیداد کہا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

میں دوانا ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے کا زنجیر کی جھنکار کے سات

پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں یہ شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا کب سحر کرے

* (ن) رہا نہیں -

دھن کو تیرے پا یا بات کہتے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

دل ڈھونڈتا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
یہاں راکھہ کا اک ڈھیر ہے اور خاک دبی ہے

جی میں چھلیں تھیں جوکچھہ سوگئیں سب یار کے سات
سر پٹکتے ہی بنا اب درو دیوار کے سات

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روے تھے خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے
حباب وار تنک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئیدہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجکو نہ منھہ دکھائینگے ہم

جو چاہئے چاہ کا سر شتہ
جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبے سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

—) * (—

قدرت

قدرت اللہ، قدرت تخلص بر سخن قدرت دارد و بشاہجہاں آباد می گزراند:—

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹ بری ہے دل بے قرار کی

—*—

قدر

قدر نقد کامل عیارش در چشم فیان سخن‌صیر قدر دارد —

آے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

—*—

قاسم

قاسم دکنی از تربوت کردہ ہاے عزلت است۔

دیکھ مجھ چہرۂ طلا کا رنگ
اُڑ گیا آج کہربا کا رنگ

میں ہار دیا جان تجھے مولسری کا
اک دام بھی تجھ سے نہ لیا مول سری کا

مجھے اے سرو قد تجھہ ناز نے مارا نزاکت سے
بجاے گل ہماری قبر اوپر ناز بو رکھیو

-*-

قادری

سید خلیل قادری تخلص ریختہ را ہموار می گوید

و در دکن بسر می برد :-

خوش لگا جب سے فقر کا کہل
پشم کر بوجھتا ہوں دنیا کو

——) * (——

حرف الکاف

کلیم

محمد حسین 'کلیم' تخلص سخنش دل پزیر است

و حرفش بدل جاگیر -

آتی ہے دل پہ قلقل سوتا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

میں بانکپن سے تہرے نہیں ترگیا * رقیب
گو دل میں ہے تو مجکو بہی للکار دیکھنا

نہ کچھہ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر پہ اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

* (ن) ترنے کا -

نشاں مجھہ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے کے ہوگا

قبر میں ہی ایسے ہوراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا

تا صبح تجھہ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اُس پر پتنگ تھا

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھہ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

سو زخم کھا چکا ہے دل اس پر جگر جلا
کہتا ہے مجکو زخم ہے ایک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

پوچھہ مت غم کی داستان اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسمان اے دل

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکار باغ ہوں پہ سزاوار باغ ہوں

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

غرور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

سو روضۂ رضواں کو میں ایک آن میں دیکھا
جب گل کی طرح چاک گریباں میں دیکھا

——$*$——

کمترین

کمترین شعرش زبان زد عوام است و طبعش مائل
با ہاجی و ایہام :—

دکھو پکھواں والی کی مواخذیں   خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم پادشا پسند ہو ہم کمترین تمھارے
کے بھر دوگے ہم کو نازک بدن پیارے

کافر

میر علی نقی کافر تخلص بفقیر آشنائی بیگانہ دارد
و بعنوان سپہ گری بسر می برد :—

حسرت سے ان بتوں کے دل پر کدورتیں ہیں
مٹی کی مورتیں ہیں کافر یہ صورتیں ہیں

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے
کافر ان انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھگڑے

——$*$——

گھاسی

میر گھاسی بر احوالش اطلاع نیست :—

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرتا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرتا بلبل

حرف اللام

لسان

میر کلیم اللہ لسان تخلص جوان خوش رو و خوش خو بود۔ چندے برفاقت فقیر بسر بردہ در عین عنفوان جوانی جا گرم نہ کردہ رخت بسرائے خاموش کشید :—

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسو کے تئیں یار سے جدا نہ کرے

تو جب تلک کرے انکار وعدہ مجھ سے سجن
غضب ہے پھر اگر تب تلک وفا نہ کرے

سجن جو تجھ سے ہوا آشنا سو جی سے گیا
خدا کسو کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

گناہ مرنے میں لساں کے چارہ گر کا نہیں
طبیب کیا کرے تاثیر جو دوا نہ کرے

اپنا چاک پیرہن بھاتا ہے دیوانے کے تئیں
آگ میں جلنا بھلا لگتا ہے پروانے کے تئیں

-*-

حرف المیم

مظہر

ادا فہم معنی پرور میرزا جان جاناں مظہر اصلش
از معمورۂ بخارا و مولد و منشا ش اکبر آباد است
بشرافت نسب و نبالت حسب موصوف است و بمکارم
اخلاق شریف معروف حقا که ذاتش مظہر تجلیات الہی
است و مظہر انوار فیوضات غیر متناهی از بدو حیات
الی یومنا هذا که عمر شریفش به پیمائش خطوۂ ستین
است از بلندی منشی بتوکل و انزوا بسر بردہ و از والا همتے
سر استغنا بپادشاہ و وزیر فرو نساختہ متکی مسند فراغت و
مربع نشین چار بالش عزلت است از انجا که علم فقه و
حدیث حظے وافر دارد و از کتب سیر و تواریخ بهرۂ متکاثر '
سرش از بلند همتی بشعر و شاعری فرو نمی آید و این مشغله
ها را سرمایۂ افتخار نمی انگارد - چنانچه اکثرے از اشعارش
از راہ بے پروائی از صفحۂ خاطر محو و منسی شدند و برخے

از عدم اعتنا و توجه با ین فن مهجور و ابتر گشتند لیکن
چون عشق سخن سرشتۂ آب و گلش هست و مہر معنی
جاگزین دلش از فرط استیلائے عشق معنی هر گاہ از صحبت
صوفیان خانقاہ و مستفیدان خدا خواہ فرصتش دست بہم
می دهد متوجه این شغل بے حاصل می گردد و میرزا مظہر
فارس دو میدان و والی دو مملکت بیان است و شعر
فارسیش بغایت لطافت و نظم ریختہ اش بنہایت عذوبت :-

گئی آخر جلا کر گل کے هاتوں آشیاں اپنا
نچھوڑا هائے بلبل نے چمن میں کچھه نشاں اپنا

همارے ساتھه سے یه دل بھی بھاگا لے کے جاں اپنا
هم اس کو جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

یه حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے
اگر هوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

مرا جلتا هے دل اس بلبل بے کس کی غربت پر
که گل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

کوئی آزردہ کرتا هے سجن ایسے کو اے ظالم
یه دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

هم نے کی هے توبه اور دهومیں مچاتی هے بہار
هائے کچھه چلتا نہیں کیا مفت جاتی هے بہار

لاله و گل نے هماری خاک پر ڈالا هے شور
کیا قیامت هے موؤں کو بھی ستاتی هے بہار

نرگس و گل کی دکھو کلیاں کھلی جاتی ھیں سب
پھر ان خوابیدہ مستوں کو جگاتی ہے بہار

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہولیں اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

الہی مت کسو کے پیش رنج و انتظار آوے
ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

زخمی تری نگہہ کا یک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں تک دم لیا تو پھر کیا

نہیں کچھ غم کہ کیوں ملتا نہیں پیماں گسل میرا
میں روتا ہوں یہ دل کی بے کسی پر ہائے دل میرا

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں ہم کو دماغ و دل رہا ہے

نہیں آتا کسے تکیے اوپر خواب
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

تجلی گر تری پست و بلند اُن کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہوجاتی

حنا تیری کف پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی
یہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انھوں کی نیند کیوں جاتی

اگر یہ سرد مہری تجھکو آسائش نہ سکھلاتی
تو کیوں کر آفتاب حسن کی گرمی میں نیند آتی

الہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے منہہ نہ برساتی

توفیق دے کہ شور سے اک دم تو چپ رہے
آخر سرا یہ دل ہے الہی جرس نہیں

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھہ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھہ ہر سحر
سورج کے ہاتھہ چونری و پنکھا صبا کے ہات

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پان کو

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل
یہیں تک تھی ہماری زندگانی

— * —

مضمون

برشاہد معنی مفتون شیخ شرف الدین مضمون از
شعرائے قرار دادۂ ریختہ است مشق سخن از میرزا

مظہر و خان آرزو کردہ از نبائر حضرت گنج شکر است،
چنانچہ گوید :—

کرے کیوں نہ شکر لبوں کو مرید که دادا ہمارا ہے بابا فرید

با وصف برودت پیری و فرط ضعف و ناتوانی ہا
مردے بود بغایت گرم جوش و چسپاں اختلاط ہر گاہ
دندانش از نزلہ ریختند خان آرزو از مزاح شاعر
بیدانہ می گفت - شعرش خالی از نزاکت نیست :—

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

این شعر در قلمرو ہندوستان مقبول طبائع بودہ
لیکن افسوس کہ بہ مضمون قہغا کردہ مخلص مبتذل
بر آمدہ :—

در فراق تو جہاں اے بت محبوب کنم
صبر ایوب کنم گریۂ یعقوب کنم

گر حرف حق زبان سے ہماری کبھو سنے
احوال اپنا دیکھہ کے حلاج سر دھنے

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

سبزی یہ خط کی دیکھہ پیارے عجب نہیں
ہوکر کے مست بھنگ بھی تلکے اگر چنے

کہا سمجھہ باندھا ہے بلبل نے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بے وفا ہے تس پہ جور باغباں

مہ رو نے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا
یارو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

چلا اٹھتی میں آگے سے چلا * محبوب جاتا ہے
کبھو آنکھیں بھر آتی ہیں کبھو جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح اک دم نہیں تھمتا
کسی بے تاب کا گویا لیے مکتوب جاتا ہے

مضمون شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے بہوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

بلبلو شور چمن میں نہ کرو کون سنتا ہے تمہاری فریاد

مے کدے میں گر سراسر فعل نامقبول ہے
مدرسہ دیکھا تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

— * —

مزمل

محمد مزمل معاصر میاں آبرو بود و در سخن تلاش معنی تازہ می نمود گویند در اواخر عمر جنون بر مزاجش طاری شد و اختلالے در حواسش ساری آخر با ستعفاے نوکری و ترک ملازمت ارباب دول پرداختہ در شاہجہان آباد بزاویۂ خمول ساختہ بعد چندے نواے ارجعی شنید و رخت بسراے خاموشاں کشید :-

[ن] جو وو —

راز دل آنکھوں نے سب ظاہر کیا　　ہائے کیسا رو دیا رونا نہ تھا

—— * ——

موزوں

نواب خواجم قلی خاں ذوالفقار الدولہ ، موزوں ' تخلص از دکن است طبع موزوں دارد :-

موزوں نے راہ عشق میں اب پھر قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نہ جانوں کرے گا کیا

* ——

میراں

میرزا میر میراں تخلص مخاطب بہ سید نوازش خاں پسر نواب علی مرداں خاں است طبع عالی دارد ازو است :-

آہ اگر باغ سے وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری کا گلستاں میں طوفان گزرے

—— * ——

میر

سخن سنج بے نظیر میر محمد تقی میر تخلص زاد گاهش اکبر آباد است وطنش معنی ایجاد شمع اسعدادش

بر کردہ شعلۂ ادراک سراج الدین علی خان آرزو است ۔ فقیر سیر اشعارش نمودہ و چشمے آب دادہ حقا کہ دراں تلاش معنی بیگانہ کردہ است و حرف آشنا رابروے کار آوردہ :—

بھلا تم نقد دل لے کر ہمیں دشمن گنو اب تو
کہو کچھہ ہم بھی کرلیں کے حساب دوستاں در دل

—*—

میر

محمد میر ' میر تخلص ' شعرش پسندیدہ است و سخنش سنجیدہ :—

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

محسن

محمد حسن محسن تخلص از بس دولت معانی از خزینۂ محمد تقی میر اندوختہ است و چراغ از فروغ استعدادش افروختہ :—

یوسف مصر پہونچتا ہے کوئی
تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو

درت تیرے عقیق لب کا شوخ زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو

دورے گئے وہ کوھکن و قیس کے جو تھے
میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور ہے

مرا رنگ رو اس قدر زرد ہے کہ یہاں زعفران زار بھی گرد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور مرے پاس بھی اک دم سرد ہے

اُس کے کوچے میں ہے کچھ نالۂ شبگیر کا ذکر
دیکھیو کوئی یہاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مری ہات ہی میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دھقانی و مزدور نہیں

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

اُس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دینے پر ہے جی تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جی خالا کا گھر نہیں

محسن بروں میں ہے تو بھلا کہئے کیا کروں
تھا ایک دل بساط میں اس کو بھی کھو چکا

سدا رھتا ہے نالاں کارواں سات مرا دل ہے الٰہی یا جرس ہے

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کو ہشیار ہے

اور کچھ عاجز تمہارا تو نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ دہان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آمان کہیں

بت خانے کی شکست و درستی کعبہ ہائے
یہ سب کیا پہ شیخ نے دل میں نہ گھر کیا

—*—

موزون

میر رحم علی موزوں تخلص با ستیفائے علم عربیہ معروفست و باتقضائے فن فارسیہ موصوف با راقم اخلاص خالص دارد و گاہ گاہ بملاقات می پردازد :—

اگر چہ خوش کمر موزوں بہت ہیں
فدا ہے جیو میرا اُس مو میاں پر

زرد ہونے میں نہ دیکھا ہم نے کچھ روئے بھی
پھل بھی پایا جہاں میں تجھہ زلف کو سہو کر

—*—

حرف النون

ناجی

محمد شاکر ناجی تخلص ' گویند روے برزنہ داشت و بعنوان سپہ گری علم می افراشت طبعش اکثر مائل با ھاجی بود :—

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ھما ھے پہ کھاوے کا اپنے ھاڑ

عید ھوتی تھی جو کُڈی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتاویں طے کا روزہ دیکھہ کر مہمان کو

ھر نگہہ ظالم کی نہیں فتنے سے خالی الحفیظ
کیا قیامت ھے یہ تیغ برقالی الحفیظ

باغ میں غنچوں کے دل ترقے ھیں اورجھڑتے ھیں گل
دیکھہ تیرے رنگ و بو کہتا ھے مالی الحفیظ

خون کا پیاسا تھا میرا جن نے کھلائے تجھکو پان
کیا بلا لوے گی تیرے لب کی لالی الحفیظ

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ھونی ھو سو ھو

غم نہیں گر داہری سے دل کو لے جاتا ھے وہ
پاس میرے تب تو آتا ھے جو دل پاتا ھے وہ

کہا فردا کا وعدہ سرو قد نے　　قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ہوا جب آئنے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جب آیا اپنے قابو میں تو پھر منھہ دیکھنا کیا ہے

نجانا یدکہ اُس پر کتنی موے ہیں　　عبث کرنے گیا میں گور پر گور

نرگس کے تئیں میں ہر گز لاتا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں میں نے آخر پیارے تمہاری آنکھیں

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینے میں تودا ہوا ہے تیروں کا

دیکھہ دلبر تری کمر کی طرف　　پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

مجھ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منھہ دیکھتا میں رہ گیا

بوالہوس اشراف کو مجلس میں بے دعوت نہ جاے
گو کہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

صبح دم جب جا چمن میں تم نے زلفیں کھولیاں
لے چلی دیا صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

جامہ زیبوں سے ترو صیاد ہیں اس دور کے
لے گئے دل گھیر نیچے دامن اونچی چولیاں

کیوں منڈاتا ہے زلف کو پیارے
دیکھہ تجھ کو کہیں گے سب مو رکھہ

— - * —

نثار

عبدالرسول نثار تخلص نشو و نمایش از اکبر آباد است و در سخن محمد تقی میر استاد :—

جو ہے یعقوب ' یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا اب کیا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

یہاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دل فگار و لیکن نہ اس قدر
کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اس قدر

میں وہ ہوں جس کے رشک سے گل نیں کیا سحر
ٹکڑے جگر ہزار و لیکن نہ اس قدر

ہات سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ
اک میں ہوں مضطرب سو تو نبض تپیدہ ہوں

قاصد تو مقتضا نہیں غیرت کا خط لگے
مشتاق پرفشانی رنگ پریدہ ہوں

—*—

حرف الواو

ولی

مظہر کمالات خفی و جلی محمد ولی در دکن چہرۂ ہستی افروختہ از بدو شعور دولت معنی اندوختہ کمان پر زور سخن را بہ نیروے فکرت کشیدہ و ناوک اندیشہ اش بہدف معنی رسیدہ ہر چند اشعار آبدارش زیب صفحۂ لیل و نہار است و گوشوارۂ سوامع سخن سرایان روز گار لیکن بنا بر التزام بہ تحریر بیتے چند بایجاز و اختصار پرداخت -

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

غرور حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر 'ولی' آوے

اے غنچہ نہ کر تو فخر یہ دل
تکمہ ہے سجن کی بکتری کا

دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کہ جاوے

کیا غم ہے اس کو گرمی خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سائبان

دشمن دیں کا دیں دشمن ہے
راہزن کا چراغ رہزن ہے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
اک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے محال اگر خلا ہے

گناہوں کے سیہ نامے سے کیا اس پریشاں کو
جسے وہ زلف دستاویز ہو روز قیامت میں
پہنچتا ہے یہ دل کو کو ہر جاگہ
غم تیرا روزی مقدر ہے

—*—

حرف الہا

ہدایت

ہدایت اللہ ہدایت تخلص برہنمونی خواجہ میر درد بے بنزل معنی بردہ و راہ بہ شہرستان سخن یافتہ -

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی تو کوئی زور ہے شہدا شکستا ہے

بھلا بتا تو مری جان کچھہ ہدایت نے
تمہارے جور سے شکوہ کبھی کیا ہوگا

مگر بھی نا کہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھہ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

—*—

حرف الیا

یقین

صاحب تلاش معنی رنگیں انعام‌الله خاں یقیں تخلص پسر اظهرالدین خان بهادر مبارک جنگ نبیرهٔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی است و نبیسهٔ نواب حمید الدین خاں مرحوم - شهباز خیالش بصید معنی بلند پرواز است و همای اندیشه اش بر قله قات سخن به پرفشانی ممتاز بے افراق ریخته گوئی را برطاق باند گزاشته و تخم معنی در زمین سخن کاشته و انچه از طبعش سر زده از فرط شهوع و حسن قبول در تمام هندوستان بر افواه السنه جاری است - استفادهٔ سخن از افادات کاه میرزا جان جاناں مظهر گرفته چنانچه گوید -

جیوں نماز اپنے په شام و صبح لازم کر یقیں
حضرت اُستاد یعنی شاه مظهر کی ثنا

باموالف اخلاص خالص دارد واکثر ها بملاقات می پر دارد -

هے ترے داغ سے تر سینه سوزاں میرا
آب رنگ آگ سے رکھتا هے گلستاں میرا

غم کے هاتوں نه رها کچهه بهی رفو کے قابل
بسکه سو بار سیا چاک گریباں میرا

رو اگر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئنے سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

نہ ہوتا میں اگر صدقے ترے جانے کے کام آتا
گو سدہ ناز کا تھا گالیاں کھانے کے کام آتا

بتاں خون کرکے میرا سب لگے آپس میں یہ کہنے
یہ کافر جیوتا رہتا تو بت خانے کے کام آتا

اُڑا دی ان ہوا نے مشت خاک مے کشاں ناحق
غبار ان کا اگر رہتا تو پیمانے کے کام آتا

یہ کوہ طور سرمہ ہوگیا سارا ہی کیا کہیے
کوئی پتھر اگر بچتا تو دیوانے کے کام آتا

دیا ہے ان بتیں نے عشق کا آتش کدہ سب ہی
کوئی شعلہ جو بچ پڑتا تو پروانے کے کام آتا

ہمیشہ کھینچتا ہوں اشک خوں کو دار مژگاں پر
اگر رونے کو میرے دیکھتا منصور رو دیتا

مجھے گر حق تعالیٰ کار فرمائے جہاں کرتا
بتاں کو میں بزور ان بے کسوں پر مہرباں کرتا

خدا دیتا مجھے گر مہر سامانی خدائی کی
تو میں ان بلبلوں کو گلشنوں کا باغباں کرتا

اگر مرکر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

نہیں معلوم اب کے سال پیمانے پہ کیا گزرا
ہماری توبہ کرنے سے کی ہے خانے پہ کیا گزرا

برهمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے
خدا جانے تری صورت سے بت خانے پہ کیا گزرا

حیا لوگوں سے ہر جا پر غضب ہے اتنی ہشیاری
نہ پوچھا یہ کبھو تونے کہ دیوانے پہ کیا گزرا

ہیں زخم مرے کاری اس سینے سے کیا ہوگا
اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے سے کیا ہوگا

کہتے ہیں کہ تسخیر میں آئینے کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا یہ کام آئینے سے کیا ہوگا

طلا اس حسن کے شعلے کے آگے آب ہوجاتا
تجھے گر دیکھتا روپا پگل سیماب ہو جاتا

کمی کی خنجر قاتل نے اُس کی پیاس کے حق میں
کئی زخم اور اگر لگتے تو دل سیراب ہو جاتا

اثر خوبان فندق زیب کے گلبوں میں یہ دیکھا
کہ جو کرتا تھا اشک خوں سو وہاں عناب ہوجاتا

اگر تجھکو زلیخا دیکھتی سب کچھہ بسر جاتی
تماشا ماہ کنعانی کا اُس کو خواب ہو جاتا

یقین سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد کہ آتش کا بھی زہرا آب ہو جاتا

سر پر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

ہموں نے ہجر سے کچھہ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
ہمارے حق میں اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

نہ ہو جو سر سے میرے دور ظل عاطفت غم کا
نہ پڑیو داغ پر میرے الٰہی سایہ مرہم کا

شکوہ حسن سے آنسو ہمارے سوکھ جاتے ہیں
یقیں سورج کے آگے کب اثر رہتا ہے شبنم کا

تجھہ آنکھوں سے اُتر کر دل نہ کرتا شور کیا کرتا
یہ شیشہ طاق سے گر کر نہ ہوتا چور کیا کرتا

نہیں اُتر سکتی کسو افسوں سے کالے کی لہر
کہوں کہ نکلے سر سے اُس زلف پریشاں کی ہوا

نہ آب تیشۂ فرہاد خوں میں گر ملا سکتا
اس آب و رنگ سے کب نقش شیریں کو بنا سکتا

اجل نے کوہکن کی خوب رکھہ لی شرم خسرو کی
وگر نہ اس کے سنگ زور کو یہ کب اُٹھا سکتا

یہ دل ایسا خراب کوچہ و بازار کیوں ہوتا
اگر ملتا نہ اتنا گلرخاں سے خوار کیوں ہوتا

تری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
یہ ایسا کار آساں اس قدر دشوار کیوں ہوتا

کسو کا تو کبھی دکھا کرو دل تم کو لازم ہے
وگر نہ دلرباؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

گرا میں آنکھہ سے تیری جہاں کے ہات کیا آیا
مجھے پٹکا زمیں پر آسماں کے ہات کیا آیا

مرے ان آنسوؤں نے کھودیا نور بصر میرا
یہ یوسف بیچ کر اس کارواں کے ہات کیا آیا

نہ کہتے راز دل تو اپنی رسوائی بلا سہتی
فضیحت کر کے مجھکو اس زباں کے هات کیا آیا

دلبروں کے نقش پا میں هے صدف کا سا اثر
جو مرا آنسو گرا اُس میں سو گوهر هو گیا

کیا بدن هوگا کہ جس کے کھولتے جامے کے بند
برگ گل کی طرح هر ناخن معطر هو گیا

آنکھہ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے باهر جو گیا لڑکا سو ابتر هو گیا

لگے کا هات پتھر اس طرح کی سعی نادق سے
پراے دلبروں پر سر نہ چیر اے کوهکن اپنا

یقین اس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاهے
صدف کي طرح دهولے آب گوهر سے دهن اپنا

یہ قمریاں جو سرو کی عاشق هوئیں مگر
دنیا میں اور کوئی سجیلا جواں نہ تھا

اس قدر غرق لہو میں یہ دل راز نہ تھا
جب حنا کو ترے پاؤں سے سروکار نہ تھا

حسن کا عشق زلیخا ستی کچھہ چل نہ سکا
ورنہ وہ پاک گہر قابل بازار نہ تھا

دل میں زاهد کے جو جنت کی هوا کی هے هوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

اب جیوں سر شک خاک سے سکتا نہیں هوں اُٹھہ
آگے میں دل کی آنکھہ سے اتنا گرا نہ تھا

جو کچھ کہیں گے تجکو یقیں ہے سزا تری
بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

کہوں میں کیوں کہ نہ صبح بہار تجکو کہ آج
چمن میں تو جو نہ تھا گل کے منہ پہ نور نہ تھا

خفیف مجھہ سے الجھہ کر عبث ہوا واعظ
کہ میں تو مست تھا اس کو بھی کیا شعور نہ تھا

نوک بعضے سرو کی ہوتی جو ہے خم اس سے بوجھہ
عالم بالا سے آتا ہے چلا گویا ادب

دشت اتنا ہے تواضع کو نہیں یہ گرد باد
دیکھہ دیوانے کو کرتا ہے یقیں صحرا ادب

کیا گرادی ایک تیشے سے بنا فرہاد کی
کر دیا کس گھر بسے نے خانۂ شیریں خراب

صبر کیجئے کب تلک ناصح کہ کردیتا ہے عشق
حوصلے کا شہر غارت خانۂ تمکیں خراب

پانو کو اپنے یقیں کی چشم گریاں پر نہ رکھہ
مت کرائے گل آب جو میں دامن رنگیں خراب

تری آنکھوں کی کیفیت کو مے خانہ سے کیا نسبت
نگہہ کی گردشوں کو دور پیمانہ سے کیا نسبت

یہ وہ موتی ہیں جس کی سیپیاں آنکھیں ہیں عاشق کی
مرے آنسو کو مروارید کے دانہ سے کیا نسبت

یہ بت جن نے تراشے ہیں اسے بوجھا بغیر اس کے
کہوں ایسی صورتیں کوئی بنا سکتا ہے کیا قدرت

تصور کرکے اپنا هوں مزا میں اس کی باتوں کا
مرے اس چپکے رهنے کا هے وہ شریں سخن باعث

حق کو کب پہنچے بندهے جب تک نہ ان زلفوں سے دل
کیونکہ هو زنجیر بن ایسے دوانے کا علاج

جی نکل جاتا هے میرا جب کبھو آتی هے یاد
وہ قسم کھا کر اسی ساعت مکر جانے کی طرح

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا هے میرا بے طرح
رکھہ مری آنکھوں پہ دیتے هو کف پا بے طرح

فصل گل بہی آن پہنچی دیکھئے کیا هو یقین
اب کے جلتا هے جنوں پر جی همارا بے طرح

رنگ سے منہدی کے هوجاتے هیں آنسو لعل تر
رکھہ کے ان پانوں پہ سر کوئی اٹھاوے کس طرح

مرے تہ چاک گریباں سے هے رفو گستاخ
نہ میرے زخم سے مرهم کی آرزو گستاخ

کون ریجھے قامت رعنا پہ تیرے جز یقیں
غیر شاعر کون دے اس مصرع موزوں کی داد

بوجھتا هے خوب کیفیت نظارے کی یقیں
اس نگاہ مست سے لیتا هے مے خانے کا حظ

رشک تیری دلربائی کا ز بس کھاتی هے شمع
دیکھہ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی هے شمع

اس هوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھہ کر چھاتی بھری آتی هے باراں کی طرح

ناصح سے مجھکو غم نے کہا شرمسار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

عرق کرتا ہے اپنے حسن کے شعلے کی گرمی سے
بڑا ہے گل سے بھی یہ دلبر خرشید رو نازک

رشک سے لاگی ہے پروانے کے جیسے تن کو آگ
لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراهن کو آگ

فصل گل آتی ہے بلبل آشیاں کا کر علاج
لگ اُٹھے گی اب کوئی دن بیچ اس گلشن کو آگ

چل یقیں بہتر نہیں ہے اس سے جل مرنے کی طرح
کیا یہ پھولے ہیں پلاس اور لگ رہی ہے بن کو آگ

قد ترا از بسکہ رکھتا ہے لٹک جیوں شاخ گل
باؤ کے صدمے سے جاتا ہے لہک * جیوں شاخ گل

هار مت پہنا کر اے پیارے کہ نازک قد ترا
بوجھ، سے پھولوں کے جاتا ہے لچک جیوں شاخ گل

مر چکا هوں تس پہ جی میں مجھہ دوانے کے یقیں
وے حنائی هات جاتے هیں کھٹک جیوں شاخ گل

پڑ گئی دل میں تری تشریف فرمانے کی † دھوم
باغ میں مچتی ہے جیسے فصل کے آنے کی‡ دھوم

تیری آنکھوں میں نشے نے اس طرح مارا ہے جوش
ڈالتے هیں جس طرح بدمست مے خانے میں دھوم

---

* [ن] لچک - † میں -
‡ باغ میں مچتی ہے گل کی فصل آنے میں دھوم

ابر جیسے مست کو شورش میں لاوے دل کے بیچ
مچ گئی یکبار ان بالوں کے کھل جانے میں دھوم

چاک کر ڈالا ہے اپنا تو نے سینہ بھی یقین
پھاڑتا ہے اس طرح کوئی گریباں العیاذ

اب جو اُڑ بیٹھوں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

شاخ گل کو سرخ جیوں شمشیر کرتی ہے بہار
قتل میں بلبل کے کب تقصیر کرتی ہے بہار

یہ زمیں سیلاب سے ہوتی نہیں ہے چاک چاک
دشت کی چھاتی پھٹے ہے سن کے دیوانے کا شور

دل ہمیں کہہ کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر نہ دی ہم کو کسی نے اُس دوانے کی خبر

بلبلیں پیہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھ تو اُڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

توقع دیکھ مت کہہ نا اُمیدی کے سخن بس کر
جواب تلخ مت دے مجکو اے شیریں دہن بس کر

پھوک کر جی نکل جاوے گا بلبل کی طرح میرا
کھلا بند گریباں کو نہ رکھ اے گلبدن بس کر

کیا مری مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اُمڈے ہیں یہ برسوں کے زور

خال گورے منہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں میں بھی پڑتے ہیں چور

گو پیہاں پھاڑتے ہیں دیکھ خوباں چمن کھوں کر
نکیجے چاک ناصح اس ہوا میں پیرہن کھوں کر

درد مندوں کے تو لیتا ہے عبث خوں کا وبال
مر رہے ہیں آپ ہی ان ناتوانوں کو نہ چھیڑ

خوش نہیں آتا ہے بن مجنوں ہمیں صحرا ہنوز
ان غزالوں سے ہمارا جی نہیں لگتا ہنوز

آگے لبوں کے ہو نہ سکا خط یار سبز
ہوتا ہے کب شراب کے آگے خمار سبز

بعد مرنے کے بھی ہوں گور میں غمناک ہنوز
گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز

آپ سے ہم نے مقرر کی ہے اپنی جاقفس
ورنہ تک پھڑکیں تو ہو جاے تہ و بالا قفس

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دوا نا ہوتا
آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس

نزع ہیں یار مجھے دیکھ جھجھک کر بولا
کیا بری طرح سے مرتا ہے یہ بیمار کہ بس

جس طرح سے ڈھونڈتے ہیں لوگ خاطر ہاے شاد
اس طرح رکھتا ہے مجکو جان مخزوں کا تلاش

ترے ستم سے مرا جی یہ کچھ دھڑکتا نہیں
خوشی سے قتل کی کرتا ہے جان محزوں رقص

فصل جاتی ہے یقیں اور باغباں سے ایک بار
کوئی کرتا نہیں ہمارے باغ جانے کی عرض

مت خدا کے واسطے دلبراں سے اختلاط
کفر ہے حق میں مسلماں کے بتاں سے اختلاط

کعبے بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

بلاے عشق سے کچھہ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر مے کدہ یارو کہیں پناہ نہیں

قیدی اس سلسلۂ عشق کے اب کم ہیں یقیں
دل آزاد بہت جان گرفتار کہاں

وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں
اس آفتاب کا کس ذرے میں ظہور نہیں

کوئی شتاب خبر لو کہ بے نمک ہے بہار
چمن کے بیچ دوانوں کا اب کے شور نہیں

مجکو اب سیر و تماشا سے شناسائی نہیں
تجھہ بن اے نور بصر کچھہ مجھہ میں بینائی نہیں

بن یقیں کے باغ میں جا کر بتاں کہتے ہیں سب
سیر گل میں جی نہیں لگتا وہ سودائی نہیں

گالی بھی پی گئے ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اُٹھائیاں ہیں

شکوہ جفا سے یار کی کرتا وفا نہیں
بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

جورو جفا کا اُن سے تعجب نہ کر یقیں
یہ سنگدل بتاں ہیں نہ آخر خدا نہیں

قامت رعنا سے تیرے اسکے شرما تا ہے سرو
دیکھکر تجکو زمیں کے بیچ گڑ جاتا ہے سرو

کیا سجدہ یقیں نے دیکھہ اُس محراب ابرو کو
برہمن تو رہا مسجد میں بتخانے سے کہہ دیجیو

اسیران قفس کی نا اُمیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

گرہ کھولو نہ زلف یار کی شانے کو مت چھیڑو
چھڑ مت دل کی زنجیر ایسے دیوانے کو مت چھیڑو

کوئی مجھہ سے نہ بولو مستعد مرنے کا بیٹھا ہوں
خلافت خود کشی کی دے گیا ہے کوہ کن مجکو

کوڑا سرو نپٹ بن کے قد * رعنا ہو
جو یار پردے سے نکلے تو کیا تما شا ہو

خدا کرے کہ کہوں حق شتاب ثابت ہو
مت امتحان وفا میں یقیں کے دیر کرو

عشق میں داد نہ چاہو کہ سدا ہم نے نہیں
عدل وانصاف کا اس ملک میں دستور کبھو

اُس رخ صاف کے آگے نہ رکھو آئینہ
میں مکدر ہوں مجھے اور مکدر نہ کرو

لے کے دل کرتے ہو ثابت دکھہ کے ماروں کا گناہ
جان و دل دینے میں کیا ہے اُن بچاروں کا گناہ

---

* ن بن بنا کے

کروں میں کیوں کہ قید زلف سے چھوٹنے کی تدبیریں
پڑی ہیں میری ہر انگشت میں جیوں شانہ زنجیریں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجکو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

اُٹھ کیا کہتے ہیں دیوانہ یقیں عالم سے ہائے
ان نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

ہائے میرا ہاتھ مت پکڑو کہ جیب گل کی طرح
چاک ہی کرتا ہے اس میرے گریباں کے تئیں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

عمر آخر ہے جنوں کی نو بہاراں پھر کہاں
ہات مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں

یار کے قد کو نہ دے سرو سے تشبیہ یقیں
سر کشی میں تو مسلم ہے پہ طناز نہیں

یقیں مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

کیا فرہاد نے جو کچھ محبت اس کو کہتے ہیں
دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں

یقیں سے جاتے بلتے کی خبر کیا پوچھکر لوگے
پڑا ہو گا دوانا سوختہ سا کنج گلخن میں

یہ سینہ عشق سے محروم درد و داغ نہیں
ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں

بلاے عشق سے کچھہ چھوتنے کی راہ نہیں
بغیر مے کدہ یارو کہیں پناہ نہیں

عاشقوں پر جبر کرتے ہیں یقیں یہ خوبرو
کچھہ نہیں باللہ ان بے اختیاروں کا گناہ

مفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے سات

بہار آئی ہمیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیان سچ کہہ

کچھہ عمر میں نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا
ڈرتا ہوں چھلک جاوے لبریز سے پیمانہ

عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھہ لی
بوالہوس جیویں مریں ہم اے محبت واہ واہ

جب ہوا معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
بندگی جن نے خوکی وہ خدائی کیا کرے

عشق میں ملتی نہیں راحت مگر جیوں کوہکن
جان شیریں دیجیے تب خواب شیریں کیجیے

کیا دل ہے اگر جلوہ گہہ یار نہو وے
ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہو وے

اگر پاوے گلی تیری تو بلبل گلستاں بھولے
ترا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشیا بھولے

چھتے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے ' ہمارا خون بہا جلاد کو پہنچے

بہار آئی بجاؤ عندلیبو ساز عشرت کے
گئیں حسرت کی وے راتیں گئے وے دن مصیبت کے

پریشاں خاک سے اُگتا ہے سنبل اس سے ظاہر ہے
کھلے ہیں موے لیلی اب تلک ماتم میں مجنوں کے

بتاں کی پادشاہی کے سپہ سالار عاشق ہیں
بٹھاے کوھکن نے بے ستوں میں نقش شیریں کے

نہ بجھنے دیجو اُس کو گرم رکھیو آہ و نالے سے
یہ دل ہے مشت خاکستر کا تیری اخگراے قمری

یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بد گماں بولا
یہ دیوانہ کچھہ ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کہیے

عبث پالی تھی سینے بیچ آہ بے اثر ہم نے
یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخل بے ثمر ہم نے

نہ پوچھو تو کہ کیا یہ سر زمیں مجنوں کا مدفن ہے
چلی آتی ہیں شور باویں اس بیاباں سے

یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے
کون اس کوچے میں جز تیر گزر کرتا ہے

درختوں سے نہ دے تشبیہہ اس قد کو یقیں ہر گز
وہ اٹھکھیلی سے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

اگر زنجیر میرے پانوں میں ڈالی تو کیا ہو گا
بہار آنے دو میرا ھاتھہ ہے اور یہ گریباں ہے

گئی یہ کہکر آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر ان آنکھوں سے کیوں کر دیکھہ سکے گا چمن خالی

دعا مستوں کی، کہتے ہیں 'یقین' تاثیر رکھتی ہے
الہی سبزہ جتنا ہے جہاں میں تاک ہو جاوے

اس طرح رونے میں آنکھوں کا خدا حافظ یقین
دیکھیے یہ خانماں اس روے ڈوبے یا ترے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کی
کسو کا دل کبھی پانوں تلے ملا بھی ہے

اگر برباد جاوے خاک میری کیا تعجب ہے
فلک جب چرخ میں آتا ہے تیرے دور داماں سے

نہیں ہے جام مے بن کچھ ہمارا خوں بہا ساقی
اس آب زندگی سے اپنے ماروں کو جلا ساقی

جو سر پانوں پہ رکھ دیجیے توخوش ہوویں بتاں ہم سے
ولیکن ہاے ہو سکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم سے

'یقین' زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں چھلیں
تک اک چھوٹے یہ دیوانہ ابھی دھومیں مچا دیوے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

مرے آنسو بھی مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا ہے عشق مجکو ہاے ایسا ناتواں تو نے

نظر آتا نہیں ثابت گریباں ایک غنچہ کا
چمن پر یہ ستم کرتا ہے اے باد صبا کوئی

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بےدرد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں راتوں کو مجھے تیری بلا جانے

گریباں چاک کرنے سے کسو کے تجکو کیا ناصح
ہمارا ہات جانے اور ہمارا پیرا ہن جانے

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چا ہے
تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چا ہے

نہیں کوئی کہ اخبار اس کے ہم تک یا دعا لاوے
گیا ہے دل اب اس کو دیکھئے کب تک خدا لاوے

'یقین' بےجا بھی میں کرتاہوں پے صبری کہ ڈرتاہوں
محبت بیچ لگ جاوے کہوں ننگ شکیبائی

بہار آئی ہے کیسا چاک جیب پیرہن کرنے
جو اب ہم جیتو ہوتے تو کیا دیوانہ پن کرتے

مقابلے میں وفا کے جو یہ جفا ہو وے
کبہو کسو سے کوئی کیوں کر آشنا ہو وے

موا جاتا ہوں مت اتنا بھی کس کر گوندھ بالوں کو
تک اک ڈھیلی تو کرد ے جان زنجیر اس دوانے کی

زنجیر میں بالوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

دکھہ تو دیتا ہے کروں تجکو بھی حیراں تو سہی
باغباں اب کے اجاڑے لوں گلستاں تو سہی

اپنے بندوں کو جلا کر داغ کرتے ہیں یقین
ان بتاں کی ضد سے ہوجاؤں مسلماں تو سہی

سوے ہم فصل گل آنے سے پہلے ہی خدا جانے
کہ کیا کیا شوخیاں ہم ساتھہ یہ ظالم ہوا کرتی

دل روشن کے تئیں لگتی ہے کب ظلمت نظارے کی
صفا میں آئنے کی کب خلل آتا ہے صورت سے

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر لے کے چھوڑے گی یہ بیماری مجھے

ان پری زاد جوانوں نے کیا پھر مجھے
کر دیا ضعف سے جیوں سایہ زمیں گیر مجھے

ناصح اس کی سوزن مژگاں سے کھینچوں کیوں کہ ہات
زخم کو ٹانکے نہ دے اپنے تو گھائل کیا کرے

محبت کے مزوں کو کب ہر اک پیر و جواں سمجھے
جو ابراہیم ہو آتش کدے کو گلستاں سمجھے

کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے
اس پیچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے

اجل نہ چھوڑے گی آخر بتوں کو لازم ہے
کہ اپنے سر کو ترے پانوں پر نثار کرے

یقین جاتا رہا گر بلبلوں کے ساتھ جانے دے
کوئی اس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے

حیا و شرم سے کیونکر کوئی حذر نہ کرے
ادب سے تجھ پہ کوئی کب تلک نظر نہ کرے

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے   میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے

ترا خورشید سا منہ دیکھ کر پھولوں کی جان لرزے
ترا قد چھو کے باؤ آوے تو سرو گلستاں لرزے

وہ بلبل کیوں کہ ہووے خار و خس سے مختلط جس کا
نسیم و گل سے مارے نازکی کے آشیاں لرزے

یک رنگ

معنی یاب بے د رنگ مصطفیٰ خاں 'یک رنگ'
با آبرو یک طرح بودہ و تلاش معنیء تازہ نمودہ رتبۂ
سخنش بلند است و پایۂ شعرش ارجمند —

یک رنگ پاس اور سجن کچھہ نہیں بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے

لب شیریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھہ اُٹھا جور اور جفا سے تو بھی گویا سلام ہے تیرا

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا
گلزار کے نمط ہے بیابان کربلا

کھانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھہ
دھو ہات زندگی ستی مہمان کربلا

سلمتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن
تجکو ترا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا

اِتنا ھے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ھے بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گوھر سیتی ھرگز برابر اگر معلوم ھے رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن بھی ھو ھے اپنی جاں کا

مرا دشمن ھوا 'یک رنگ' وہ شوخ
کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

کم نہیں کچھ بوے گل سیتی فغاں عندلیب
برگ گل سے ھیگی نازک تر زباں عندلیب

زباں شکوہ ھے مہندی کا ھر پات کہ خوبوں نے لگاے ھیں مجھے ھات

مسند حسن کے شاہ و گدا ھیں رکھے ھیں خوبرو ظاھر کرامات

خیال چشم و ابرو کر کے تیرا کوئی مسجد پڑا کوئی خرابات

سچ کہے جو کوی سو مارا جاے راستی ھیگی دار کی صورت

بنا برمصلحت ھے یہ جو تم سے رھا ھے روٹھہ دن دو چار 'یکرنگ'

تا گلے تیرے لگوں اے یار میں روٹھتا ھوں اس سبب ھربار میں

کیوں کھینچتے ھو تیغ صنم ھم میں دم نہیں
پلٹاں نگہہ تمہاری یہ کچکی سے کم نہیں

کہتے ھیں ھم پکار سنو کان دھر سجن
گر دیر سے ملوگے تو دیکھو کے ھم نہیں

تجھہ زلف کا یہ دل ھے گرفتار بال بال
'یکرنگ' کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدا میں پڑے ھو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئي جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیوں کہ ھو   اک جاگہ آگ و پانی کیوں کہ ھو

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ھے اے دل جان بوجھ

برگ حنا اُپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھو تو جا لگے اس دل ربا کے ھات

گر خبر لینی ھے تو لے صیاد   ھات سے یہ شکار جاتا ھے

لگے ھے جا کے کانوں میں بتاں کے
سخن 'یکرنگ' کا گویا گہر ھے

کیا جانیے وصال ترا ھو کسے نصیب
ھم تو ترے فراق میں اے یار مرگئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رھا ھے   نہ مجکو وہ دماغ و دل رھا ھے

اب تو تمھیں نبا ھے ھی ھم سے سجن بنے
ھم سب طرف سے ھار تمھارے گلے پڑے

یکرو

عبدالوھاب یکرو شاگرد آبرو است و فکرش برجستہ
است و شعرش شستہ :—

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی
گننے میں جن کے عمر مری سب گزر گئی

—)*(—

الحمد الموفور المتمم الامور که این تالیف روح افزا زیب اتمام گرفت و زینت اختتام پذیرفت و حالات شریف و مقالات لطیف ریختہ گویان حسن انجام و حلیهٔ انصرام یافت لیکن بر خاص و عام از ذره تا خورشید روشن است که احصاے افراد این نوع و احاطه اشخاص این (؟) فوق طاقت بشری است و آسامی شعراء نامی که بحیطه تحریر و حوزهٔ تسطیر آمده ' بحسب استقراء علم خود بود و الا حصر آن را تتبع و تفحص بیچون مبنے متکفل نمی تواند شد ـ

ختم الله بالحسنی فی خامس محرم الحرام المنتظم فی هام سنه و ستین و مائه بعد ۱۱۶۴ الالف من الهجرة المبارکة النبویة حامداً لله وحده حق حمده و مصلیاً علی رسوله و آله و اصحابه من بعده حرره عبد المشتاق الی رحمة ربه الغنی فتح الله عو بعلی الحسینی الکردیزی عفی عنه ـ

تمت الکتاب بعنوان الملک الوهاب در بلدهٔ فرخنده بنیاد حیدرآباد ابد بنیاد بحسب الفرمائش حضرت سید عبدالولی صاحب عزلت تخلص با تمام رسید۔ کاتب الحروف سید عبدالنبی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفهانی غفر اللہ تعالی۔ تحریر فی التاریخ غرہ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۱۷۲ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و دو من الہجریۃ النبویۃ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم۔

تمت تمام شد

اردو

یہ انجمن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے اور محققانہ اور تنقیدی مضامین درج ہوتے ہیں ہندوستان بھر میں یہی ایک خالص ادبی رسالہ ہے جو اس اہم خدمت کو خاص حیثیت سے انجام دے رہا ہے - اردو مطبوعات اور رسالوں پر اس کے تبصرے امتیازی شان رکھتے ہیں۔

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک سات روپے سکۂ انگریزی

[آٹھ روپے سکہ عثمانیہ]

—— * ——

سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے - ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

سالانہ چندہ سات روپے سکۂ انگریزی (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ)

امید ہے کہ اردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

Anjuman -i- Tarraqqi -E- Urdu Series No. 76.

Tadzkirah-i-Rekhta Guyan

A Biographical Anthology of Rekhta Poets.

by

Syed Fath Ali Husaini Gurdezi

Edited by

MOULVI ABDUL HAQ, B.A., (ALIG.)

PRINTED AT THE "ANJUMAN URDU PRESS"
AURANGABAD, (DECCAN)
1933